aazzamm@yahoo.com

سے ریلوے سٹیشن اور اُن کے گرد و نواح آباد دیہاتوں کے نام منوہر لال کو ازبر تھے۔ اس نے خان کو دُور ہی سے سٹیشن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سٹیشن کا نام اور اب تک اُن کے راستے میں آنے والے دیہاتوں کے نام بھی بتا دیئے تھے اور ایک "کور سٹوری" بھی سمجھا دی تھی جو اُس نے کسی کے استفسار کرنے پر سُنانی تھی۔

"ٹرین آنے میں ابھی قریباً آدھ گھنٹہ باقی ہے" ـــــ اُس نے کلائی پر بندھی گھڑی کی سوئیوں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں ہمیں سٹیشن پر دس پندرہ منٹ پہلے ہی پہنچنا چاہیئے" ـــ خان نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"ہاں" ـــ منوہر لال کچھ سوچتے ہوئے بولا "تم ٹھیک کہتے ہو"

دونوں کھیتوں کے درمیان ہی ایک "سمادھی" کو قدرے محفوظ جان کر وہیں چلے آئے۔ سمادھی پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔ اُس پر وہ ایک دوسرے کے نزدیک بیٹھ گئے اور دونوں وقت گزاری کے لیے گفتگو کا کوئی موضوع تلاش کرنے لگے:

"کیا سوچ رہے ہو؟" اُس نے یونہی منوہر لال سے پُوچھ لیا۔

"کچھ نہیں ـــ تم تو جانتے ہی ہو۔ ہمارے پاس سوچنے کے لیے وقت ہوتا ہی کب ہے اور اگر کبھی کبھار ایسا کچھ وقت مل بھی جائے تو ایک ہی سوچ ہوتی ہے"

"ہاں ـــ" خان نے اُس کی بات سمجھتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی ـــ "انسان کتنا کمزور ہوتا ہے۔ کم از کم میں تو اس حقیقت کا قائل ہو چکا ہوں"

"اب دیکھو کتنا عجیب لگتا ہے یہ سب کچھ۔ کبھی کبھی تو اپنا وطن، گھر بار، ماں باپ، بھائی بہن اتنے یاد آتے ہیں کہ رگیں ٹوٹنے لگتی ہیں، لیکن ایک ہی سوچ مطمئن کر دیتی ہے کہ ہم یہاں اُنہی کے لیے تو ہیں۔ اُنہی کی خوشیوں کے لیے" وہ خاموش ہو گیا۔ شاید کچھ اور کہتے ہوئے وہ جھجک محسوس کر رہا تھا۔

دونوں چند سیکنڈ تک خاموش رہے پھر خان نے نہ چاہتے ہوئے بھی پُوچھ لیا۔

"کس شہر کے رہنے والے ہیں آپ؟"

اُس کی بات کا جواب منوہر لال نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر دیا تھا "سارے شہر میرے ہی شہر ہیں۔ اب تو یوں لگتا ہے جیسے میرا وجود پاکستان کے سارے شہروں کی مٹی کا مرکب ہے"

خان سمجھ گیا کہ اتنے جذباتی لمحات میں بھی منوہر لال نے اپنی ٹریننگ کے اُصول فراموش نہیں کیے اور اُسے اپنی صحیح شناخت سے آگاہ نہیں کیا۔

"میرا جی نجانے کیوں چاہتا ہے تم سے اپنے مُلک کی باتیں کروں۔ ہاں! تم نے لاہور تو دیکھا ہو گا" ـــ پھر وہ خود ہی خان کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے بول پڑا۔

"ہاں! ہاں! کیوں نہیں۔ میں کئی دفعہ لاہور گیا ہوں" اُس کا جی چاہا کہ فوراً اُسے بتا دے کہ یہی تو اُس کا شہر ہے لیکن اُس نے گول مول جواب دینا ہی مناسب سمجھا۔

پھر دونوں لاہور کی باتیں کرنے لگے اور باتوں کا یہ سلسلہ لاہور سے ڈھاکہ تک پھیلتا چلا گیا۔ وقت جس کی گردش رُکتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی، بہت تیزی سے بیت چلا تھا۔ منوہر لال نے ہی وقت کی نزاکت کا احساس کیا۔

دونوں اٹھ کر سٹیشن کی طرف چل دیئے۔

○

گاڑی آنے میں منوہر لال کے اندازے کے مطابق بمشکل پانچ دس منٹ ہی باقی تھے۔ جب وہ اُس چھوٹے سے ریلوے سٹیشن پر پہنچے۔ اُن کے علاوہ بمشکل تین چار سواریاں وہاں نظر آ رہی تھیں ـــ سٹیشن کے واحد پلیٹ فارم کی دیوار سے لگے ہوئے لوہے کے ٹھنڈے بنچوں پر تین چار آدمی سردی میں کپکپاتے چادریں اُوڑھے بیٹھے تھے۔

پلیٹ فارم پر بنی ٹین کی چادروں میں سے زرد بلبوں کی روشنیاں وہاں کپکپاتے ہوئے

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

اپنے ہونے کا زبردستی احساس دلا رہی تھیں۔ ٹکٹ بابو والی کھڑکی میں ایسے ہی زرد بلب کی روشنی میں ایک مریل سا چہرہ اُنہیں دکھائی دیا۔ جس نے دونوں ہاتھ کوٹوں والی انگیٹھی پر رکھے ہوئے تھے۔

"میں ٹکٹ لے آؤں" منوہر لال نے اُسے وہاں رُکنے کو کہا اور خود آگے بڑھ گیا۔ خان اُس سے کچھ فاصلے پر ہی رُک گیا اُس نے اپنا مُنہ ٹکٹ بابو کی کھڑکی کی طرف ہی کر لیا تھا۔ وہ اُن لوگوں کے نزدیک جانا نہیں چاہتا تھا۔

منوہر لال نے ایک قریبی سٹیشن کا نام لیتے ہوئے ٹکٹ بابو کو دو اعلیٰ درجے کے ٹکٹ دینے کے لیے کہا۔ اور جیب میں پیسے نکالنے کے لیے ہاتھ ڈالا۔ جیسے ہی وہ ٹکٹ خرید کر واپس پلٹا اچانک سنسنی سی اُس کے بدن میں تیزی سے دوڑ گئی۔

"ہینڈز اَپ" ـــــ کوئی للکارا اور ایک پستول کی ٹھنڈی نال اُس کی گردن سے چپک گئی۔ منوہر لال کو اپنا خون رگوں میں جمتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

اُس نے کسی میکانکی عمل کے تابع ہاتھ اُوپر اُٹھا دیئے۔ ٹکٹ بابو کو علم ہی نہ ہو سکا کہ باہر کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔

"رائٹ" ـــــ اگلا حکم موصول ہوا اور جب وہ دائیں طرف گھوما تو اُسے خان بھی اسی حالت میں نظر آیا۔ ویسا ہی ایک پستول اُس کی پسلیوں میں لگا ہوا تھا اور وہ ہاتھ اُوپر اُٹھائے مسخروں کی طرح دانت نکال رہا تھا۔

"مروا دیا نا اُستاد" ؟ ـــــ خان نے اُسے آنکھ مار کر کہا۔ منوہر لال فوراً اُس کا پلان سمجھ گیا۔

"ان گدھوں سے شاید پہچاننے میں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ بہر حال ابھی اُنہیں اپنا شوق پورا کرنے دو" منوہر لال نے بڑی بارعب آواز میں کہا۔

"بکواس بند کرو" کسی نے دونوں کو گالیاں دیتے ہوئے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

ابھی تک وہ ڈھنگ سے اِن لوگوں کی شکلیں نہیں دیکھ پائے تھے۔ یہ اندازہ تو دونوں نے لگا لیا تھا کہ یہ لوگ ائر فورس سیکورٹی کے ہیں اور اُن کے دونوں شکاروں میں سے شاید کوئی ایک اندازے سے پہلے ہوش میں آ گیا یا پھر اُس طرف کوئی کسی کام سے آیا ہو گا۔ جب ہی تو یہ لوگ یہاں پہنچ گئے"۔

اِس بات کا اُنہیں آج بخوبی اندازہ ہو چلا تھا کہ بھارتی کاؤنٹر انٹیلی جنس ہے بہت ہوشیار۔

○

دونوں کو وہ سٹیشن پر بنے سٹیشن ماسٹر کے کمرے میں لے آئے اور دیوار کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ چاروں اُن کے سامنے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے۔ صرف ایک نے سارجنٹ کی وردی پہن رکھی تھی باقی سب نے عام کپڑے پہن رکھے تھے۔

"تمہارا تیسرا ساتھی کہاں ہے اور وہ جیپ بھی جس میں تم آئے تھے" ؟ سارجنٹ نے بڑی رعب دار آواز میں پُوچھا۔

دونوں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ لوگ کارپورل اجے ساہنی تک نہیں پہنچے۔ ابھی تک اُنہوں نے دونوں کی تلاشی لینے کا تکلف بھی نہیں کیا تھا۔

"تمیز سے بات کرو۔ کون سا تیسرا ساتھی۔ کون ہو تم لوگ" ؟ منوہر لال کا لہجہ اتنا گھمبیر تھا کہ خان اس کی اداکاری پہ دل ہی دل میں عش عش کر اٹھا۔ دوسری طرف سارجنٹ بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"تم کون ہو" ـــــ اِس مرتبہ اُس کی آواز خاصی بدلی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

"دیکھو تم لوگوں کا تعلق شاید فوج سے ہے۔ ورنہ اس علاقے کے کسی سیکورٹی یا پولیس والے کی جرأت نہیں کہ وہ ٹھاکر املوک سنگھ سے اِس طرح مُنہ پھاڑ کر بات کر سکے"۔

سارجنٹ نے اپنے ساتھیوں کی طرف باری باری دیکھا۔ پھر اُس سے مخاطب ہُوا "زیادہ

Scanned by aazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

چالاک مت بنو۔ ورنہ.....“ دونوں نے اندازہ لگایا کہ سارجنٹ کا لہجہ پُر اعتماد نہیں ہے۔

منوہر لال نے اُن پر اچانک ہی بڑا بھرپور نفسیاتی وار کیا اور اپنے دونوں ہاتھ گرا کر اُس سے مخاطب ہُوا ـــــ ”اگر تمہارے ہاتھ مال لگ گیا ہے تو خاموشی سے اپنا حصّہ لو اور چلے جاؤ۔ ورنہ یاد رکھنا مکشر بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“

اُس نے ”مال“ کا پتہ چاروں کے درمیان بڑی ہوشیاری سے پھینک دیا تھا۔ چاروں ایک لمحے کے لیے گڑبڑا گئے لیکن سارجنٹ جلد ہی سنبھل گیا۔ ”اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھائے رکھو۔ ہم تمہاری تلاشی لینا چاہتے ہیں۔“

”سارجنٹ“ ـــــ اس مرتبہ خان کی باری تھی۔ ”ابھی اس شہر میں کوئی ایسا ماں کا لال نہیں جو ”ٹھاکر نگر“ کے ٹھاکروں کی تلاشی لے سکے۔ معلوم ہوتا ہے تم وردی اُتروانے کا ارادہ کر چکے ہو“ ـــــ اُس نے بھی اپنے دونوں ہاتھ نیچے گرا دیئے۔

سارجنٹ کے علاوہ شاید تینوں اُن کے چکر میں آ گئے تھے اور یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ اُنہوں نے غلط آدمی پکڑ لیے تھے۔ اس لیے وہ قدرے لاپرواہ ہو گئے تھے اور یہی کچھ وہ چاہتے تھے۔

”دیکھو اگر تم لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے تو ہمارے ساتھ ”ٹھاکر نگر“ چلو۔ یہاں سے تین چار میل کا فاصلہ ہی تو ہے۔ ورنہ یہ جان لو کہ مفت میں مارے جاؤ گے۔“ منوہر لال نے آخری تیر بھی چلا دیا جو عین نشانے پر لگا۔

سارجنٹ نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ شاید اُن کا مشورہ لینا چاہتا تھا۔ اُن لوگوں نے آنکھوں آنکھوں میں کچھ گفتگو کی اور سارجنٹ اُن سے مخاطب ہوا۔

”ٹھاکر صاحب! اصل میں ہمیں تین پاکستانی جاسوسوں کی تلاش ہے جو ابھی ابھی ایک واردات کر کے بھاگے ہیں۔ ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں لیکن یاد رکھنا تم ہمیں بیوقوف نہیں بنا سکتے۔ اگر تمہاری بات غلط ثابت ہوئی تو ہم تم دونوں کو وہیں موقعے پر گولی مار

دیں گے۔“

”چلو“ ـــــ منوہر لال نے کہا۔

جیسے ہی اُس نے قدم بڑھایا۔ اچانک رات کے سناٹے میں ریل گاڑی کے زوردار وسل کی آواز سنائی دی۔ چاروں ایک لمحے کے لیے گڑبڑائے اور وہی لمحہ اُن پر قیامت ڈھا گیا: منوہر لال سیدھا سارجنٹ پر آیا تھا اور اُسے رگیدتا ہُوا دیوار تک چلا گیا۔ خان کی ٹانگ دوسرے پستول والے کی کنپٹی پر اس زور سے چلی تھی کہ اُسے دوبارہ سنبھلنے کی مہلت نہ مل سکی۔ باقی تینوں کے سنبھلنے تک دونوں پستولوں پر خان اور منوہر لال قابض ہو چکے تھے۔

”خبردار“ ـــــ خان للکارا۔ ”اپنے ہاتھ اُٹھاؤ اور مُنہ دیوار کی طرف کر کے کھڑے ہو جاؤ۔“

دُور سے آتی ٹرین کے انجن کی آواز بھی اب اُنہیں بخوبی سنائی دینے لگی تھی۔ دونوں نے بجلی کی سی پھرتی کا مظاہرہ کیا اور جیسے ہی وہ لوگ دیوار کی طرف گھومے اُن کے ہاتھ مشینی انداز میں چلنے لگے۔ اس مرتبہ دونوں نے کنپٹیوں کو نشانہ بنایا تھا۔ چاروں کٹے ہوئے درخت کی شاخوں کی طرح ایک دوسرے پر ڈھیر ہوتے چلے گئے۔ اس مرتبہ دونوں نے خاصے سخت ہاتھ دکھائے تھے۔

○

ٹرین کے سٹیشن تک پہنچنے تک وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر سے اُسے گندی لگا چکے تھے۔ دونوں بڑے پُر وقار طریقے سے چلتے ہوئے ٹرین کی طرف آئے۔ اُس ٹرین میں شاید دو تین بوگیاں ہی اعلیٰ درجے کی لگائی گئی تھیں۔ ٹرین کی روانگی تک دونوں اُسی دروازے پر نظریں جمائے کھڑے رہے۔ سٹیشن پر دو تین سواریاں اُتری تھیں اور کمرے کے مخالف سمت میں اُس راستے پر گامزن ہو گئیں جس راستے پر چل کر وہ یہاں تک پہنچے تھے۔ سوار ہونے والے وہ دونوں ہی تھے۔ گاڑی یہاں بمشکل دو منٹ ہی ٹھہری تھی

Scanned by aazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

لیکن یہ دو منٹ دو صدیوں پر بھاری تھے۔ جیسے ہی گاڑی نے روانگی کا وسل دیا اُنہوں یوں محسوس ہوا جیسے ایک بڑا بوجھ اُن کے دل و دماغ پر سے اُتر گیا ہو۔

دونوں جس ڈبے میں داخل ہوئے ـــــ وہ بالکل خالی پڑا تھا۔ ایک برتھ پر ٹرین کا ایک گارڈ پڑا اونگھ رہا تھا۔ اُن کی شکل پر نظر پڑتے ہی وہ بالکل نروس ہو گیا۔ پہلے تو وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا۔ گھبراہٹ اُس کے چہرے سے عیاں تھی بالکل یوں جیسے کسی نے اُس کی چوری پکڑ لی ہو۔

اُس کے دونوں ہاتھ بے اختیار بندھے اور اُس نے دونوں کو "جے ہند" کہہ کر پرنام کیا۔ بے چارہ دونوں کو اعلیٰ سرکاری افسر سمجھ رہا تھا۔ جواب میں خان نے سر ہلا کر بڑی نخوت سے اُس کے سلام کا جواب دیا اور دونوں بڑے پُروقار انداز میں ایک برتھ پر بیٹھ گئے۔

گارڈ نے دانت نکالتے ہوئے وہاں سے نکل جانے ہی میں عافیت سمجھی۔

گاڑی نے آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے اب رفتار پکڑ لی تھی اور دونوں خود کو قدرے ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔

"گاڑی قریباً ایک گھنٹہ بعد اگلے سٹیشن پر رُکے گی۔" منوہر لال نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا ـــــ "میرے خیال سے ہمیں وہیں اُتر جانا چاہیئے۔ ہم وہاں سے الگ ہو جائیں گے" ـــــ آخر میں اُس نے اپنا فیصلہ بھی سُنا دیا۔

"ٹھیک ہے" خان نے بددلی سے کہا۔ وہ خوفزدہ تو نہیں تھا لیکن یہ ضرور چاہتا تھا کہ ابھی اُس کا دوست اُس سے الگ نہ ہو۔ وہ اُس سے دوبارہ اپنے پاکستان کی بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا۔

منوہر لال نے اُسے راستے میں آنے والے دیہاتوں، ریلوے سٹیشنوں اور بستیوں کے اڈوں کے نام بتانے شروع کر دیے۔ اُس نے خان کو بہت سی "محفوظ سروسز" کا ادراک بھی

کروا دیا اور یہ بھی سمجھا دیا کہ ان گاڑیوں اور بسوں کی روانگی کے اوقات کیا ہیں۔ اُس کو اس علاقے کے چپے چپے سے متعلق اتنی معلومات حاصل تھیں جیسے وہ وہیں پلا بڑھا ہو۔ خان اندازہ کر سکتا تھا کہ کتنی اہم شخصیت اُس کے ہمرکاب ہے جو شخص اتنی معلومات اس علاقے سے متعلق رکھتا تھا اُس نے اپنے مُلک کے لیے یہاں کیا کچھ نہ کیا ہو گا؟"

"کمال ہے یہ لوگ اتنی جلدی ہمارے سروں پر پہنچ گئے" ـــــ منوہر لال نے اُسے اداس دیکھ کر خود ہی اُسے چھیڑا۔

"ہاں ہماری روانگی کے کچھ دیر بعد ہی کوئی اُس طرف کسی کام سے آیا ہو گا۔" خان نے اپنی رائے پیش کی۔

"تمہارا دوست بہرحال محفوظ ہے۔" منوہر لال نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب تو وہ تمہارا دوست ہے۔ مَیں نے تو اُس کو یورپ میں ملاقات تک "رام رام" کر دیا ہے۔" خان نے بھی چاہا کہ ماحول میں موجود تناؤ کو ختم ہونا چاہیئے۔

"اُس کے جواب میں منوہر لال صرف مُسکرا کر رہ گیا۔

"خدا جانے اب زندگی میں ملاقات ہو یا نہ ہو۔" خان سے رہا نہ گیا۔

"ہاں ـــــ اُس کا تو علم نہیں لیکن تمہاری رفاقت میں گزرے اِس وقت پر مَیں بھی ہمیشہ فخر کروں گا۔ تم واقعی ایک بہادر انسان ہو ـــــ ایک سچے اور سُچے پاکستانی۔ مجھے یہ ملاقات ہمیشہ یاد رہے گی۔"

"مجھے بھی" ـــــ خان نے کہا۔

"اگر اللہ نے چاہا تو ممکن ہے اپنے اپنے مشن کی تکمیل کے بعد جب ہم سرخرو ہو کر اپنے وطن آئیں تو ایک دوسرے سے مِل سکیں۔" منوہر لال نے کہا۔

"ہاں ـــــ لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ اگر مَیں ہار گیا تو تم سے کبھی ملوں گا نہیں۔ مجھے شکست خوردہ چہرے کے ساتھ کسی کا سامنا کرتے ہوئے بہت شرم آتی ہے۔" خان نے

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

بجانے کیوں اُسے یہ بات کہہ دی۔ شاید اُس کے لاشعور میں موجود "را" کی پلاننگ کی تباہ کاریاں اُس کا باعث تھیں۔

"خدا نہ کرے! تم کبھی ناکام نہیں لوٹو گے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے: تم جہاں کہیں بھی جاؤ گے سرخرو ہو کر واپس آؤ گے۔"

ایک گھنٹے کا دونوں کو پتہ بھی نہ لگا۔ گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی تھی۔ دونوں سٹیشن پر اُترنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ یہ سٹیشن کچھ آباد رہا کرتا تھا۔ منوہر لال اچانک اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے اپنے بازو خان کی طرف پھیلا دیئے۔ خان جھٹکے سے اُٹھا اور اُس کے سینے سے لگ گیا۔

○

دونوں پر جدائی کے یہ لمحات بہت شاق گزر رہے تھے۔ تقریباً ایک ڈیڑھ منٹ تک وہ ایک دوسرے کے دل کی دھڑکنیں گنتے رہے۔ پھر منوہر لال نے سرگوشی کے لہجے میں کہا:

"میں تمہاری پُروقار واپسی کے لیے خدا سے دُعاگو رہوں گا۔"

"اللہ تمہیں بھی اپنی امان میں رکھے۔ تمہیں خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو ملک و قوم کی بہت بڑی بدقسمتی ہو گی۔" خان نے کہا۔

دونوں الگ ہو گئے!

ٹرین کی رفتار اب اتنی کم ہو گئی تھی کہ دونوں باآسانی اُتر سکتے تھے۔ سٹیشن ابھی کچھ دور تھا۔ جب دونوں ایک دوسرے کے تعاقب میں اُترے اور دُھند اور اندھیرے کی چادر میں غائب ہو گئے۔

گاڑی میں اونگھتے کسی مسافر کے لیے اُنہیں دیکھنا ممکن ہی نہیں تھا۔ سردی اتنی زیادہ تھی کہ کوئی اپنے ڈبے کی کھڑکی کھولنے کا حوصلہ ہی نہیں کر سکتا تھا۔ دونوں نے چھلانگ

لگانے کے بعد زمین سے چپکے رہنے ہی میں عافیت جانی اور جب ٹرین گزر گئی تب اُٹھ کر کھڑے ہوئے۔ دونوں کی چھٹی حس کسی پیش آمدہ خطرے کا سگنل دے رہی تھی۔

"فی امان اللہ" ــــ خان نے اُس سے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا۔

"خدا حافظ" ــــ منوہر لال بولا اور اُس کی طرف دیکھے بغیر ریلوے لائن کراس کر کے مخالف سمت سے عبور کر گیا۔

عابد خان کچھ دُور تک اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا ــــ دُھند اتنی زیادہ تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

بہت جلد وہ اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ خان نے اُس کی مخالف سمت سفر کے لیے اختیار کی تھی۔ منوہر لال کے بتائے ہوئے راستے اُس کے دماغ پر نقش تھے اور وہ اسی اندازے کے سہارے کہر کی چادر میں دُور تک دھنستا چلا جا رہا تھا۔

○

ریلوے سٹیشن پر موجود بھارتی انٹیلی جنس نے اتنی احتیاط برتی تھی کہ مقامی پولیس کو بھی اُن کی آمد سے آگاہ نہیں کیا تھا۔

انہوں نے گاڑی سے متعلق بھی کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔ دونوں "پاکستانی کمانڈوز" کے متعلق وہ جانتے تھے کہ یہ ضرورت سے زیادہ ذہین اور ہوشیار ہیں اور کوئی بھی شک پڑنے کی صورت میں راستے ہی میں ٹرین سے چھلانگ لگا کر غائب ہو سکتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے یہ کارروائی صیغۂ راز میں رکھی تھی۔

ٹرین کے پچھلے سٹیشن سے روانگی کے بمشکل آدھ گھنٹے بعد ہی سٹیشن ماسٹر جب کسی کام سے اپنے کمرے میں گیا تو بھانڈا پھوٹ گیا تھا۔ انٹرفورس انٹیلی جنس نے فوراً وائرلیس کے ذریعے اگلے سٹیشن کو خبردار کر دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ دونوں درجہ اوّل کے ڈبے میں سفر کر رہے ہیں۔

Scanned by aazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

اُنہوں نے راستے میں گاڑی روک کر اُنہیں گرفتار کرنا مناسب نہیں جانا تھا کیونکہ اندھیرا اور دُھند اتنی زیادہ تھی کہ دونوں بآسانی فرار ہو سکتے تھے۔ اُن لوگوں کو قوی امید تھی کہ جتنی رازداری سے اُنہوں نے دونوں کی گرفتاری کا منصوبہ ترتیب دیا ہے اُن کے بچ کر نکل جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور ٹرین کے پلیٹ فارم میں داخل ہونے سے پہلے ہی مقامی سکیورٹی کے پندرہ بیس مسلح افراد اعلیٰ درجے کے تینوں ڈبوں کے دونوں اطراف چمٹ گئے تھے لیکن جب وہ ٹرین رُکنے پر ڈبوں میں داخل ہوئے تو ناکامی اُن کا مُنہ چڑا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی بوکھلائے ہوئے سکیورٹی حکام اپنے ہیڈ کوارٹر کو دونوں "کمانڈو" کے فرار کی خبر سُنا رہے تھے جس کے جواب میں اُنہیں بے تحاشا گالیاں اور فوراً پھیل کر علاقے کو گھیر لینے کے احکامات موصول ہو رہے تھے۔

اُن کے بس میں اگر ہوتا تو ان جاسوسوں کو وہ کچا چبا جاتے۔ جنہوں نے دو مرتبہ اُنہیں زِک پہنچائی۔ اور اُن کے ہاتھ میں آ کر اتنی آسانی سے پھسل گئے تھے۔

○

ایک مرتبہ وہ پھر موت سے لڑ رہا تھا۔!

ایک تھکا دینے والی اور لمبی لڑائی کا آغاز ہو چکا تھا ـــــ اتنی شدید دُھند کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا اور وہ کھیتوں کے بیچوں بیچ چلتا چلا جا رہا تھا۔

اس بات کا تو اُسے بخوبی علم تھا کہ شکاری کُتّے کی طرح بھارتی سکیورٹی اُس کے تعاقب میں ہے۔ دُھند کی چادر گہری ہوتی چلی جا رہی تھی اور خان اُسے تائیدِ ایزدی سمجھ رہا تھا۔

یہ بات اُس کے لیے باعثِ اطمینان تھی کہ اس گہری دُھند میں وہ لوگ ٹارچوں کی روشنی بھی دُور تک نہیں پھینک سکتے۔ اُس نے جان بوجھ کر کھیتوں کا راستہ اپنایا تھا۔

کیونکہ سڑکیں اور دوسرے محفوظ راستوں پر اب تک وہ لوگ پھیل چکے تھے۔

منوہر لال کا سمجھایا ہوا نقشہ اُس کے ذہن کے کینوس پر پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ اُسے یہ تو اندازہ نہیں تھا کہ کس گاؤں میں سفر کر رہا ہے لیکن یہ ضرور احساس تھا کہ کتنی دیر بعد اُسے برساتی نالہ، ریلوے لائن اور دوسرے اہم مقامات کے نزدیک سے گزرنا ہے۔

اس کی صرف ایک ہی خواہش تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو پہلے ان کپڑوں سے نجات حاصل کرے۔ کیونکہ یقیناً اُس کے کپڑوں اور حلیے سے اُن لوگوں کو آگاہ کر دیا گیا ہو گا۔

رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ آسمان پر دُور دُور تک پھیلی سیاہیاں بھارتی کاؤنٹر انٹیلی جنس کی بدقسمتی پر نوحہ کناں تھیں۔ عابد خان کو چلتے ہوئے قریباً ڈیڑھ دو گھنٹے ہو چلے تھے اور ابھی تک اُس کا کسی سے ٹکراؤ نہیں ہوا تھا۔

وہ چلتا اور سوچتا جا رہا تھا کہ کس طرح اِس صورتحال سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرے۔ گزرے واقعات اُس کے ذہن کے پردۂ سکرین پر ایک ایک کر کے رینگ رہے تھے جب اچانک ایک خیال نے اُسے چونکا دیا۔ اُسے یاد آ گیا؛ کہ انبالہ میں جب شام کے بعد اُس نے ایک زبردست "مذہبی جلوس" کو گزرتے دیکھا تھا تو منوہر لال نے اُسے بتایا تھا کہ یہاں "رام سوامی اُتسو" منایا جا رہا ہے۔"

اُسے اب تک اِس بات کی اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی کہ بھارت میں ہر پچاس ساٹھ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہندوؤں کا بھگوان بدل جاتا ہے۔ یہاں اتنے بے شمار بھگوان تھے کہ اُن کے نام یاد رکھنا کارِ دارد تھا۔ یہ بھی کسی مقامی بھگوان کا "اُتسو" ہو گا؛ اُس نے سوچا۔!! پھر ایک خیال کوندے کی طرح اُس کے ذہن میں لپکا کہ وہ کیوں نہ "رام بھگت" کا روپ دھار کر اِس علاقے سے نکل جائے؛

○

اُسے علم تھا کہ یہاں قریباً ہر گاؤں میں موجود مندر میں لوگ آج "جگ راتا" کر

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

رہے ہوں گے۔ کسی بھی بھگت کے کپڑے ہتھیائے جا سکتے تھے۔ کسی بھی طرح وہ اس نے سوچا اور اپنی سوچ پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

اب کھیتوں کا سلسلہ اُس نے چھوڑ دیا تھا اور اپنے حساس کان کسی مندر کے شور کو سُننے کی طرف مائل کر رہا تھا۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد ہی اُس کی مُراد بر آئی۔!

عورتوں اور مردوں کی ملی جلی بے ہنگم آوازوں کے پس پردہ ناشے چھینے اتنی شدت سے بجائے جا رہے تھے کہ بہروں کے بھی کان کھول دینے کو کافی ہوتے۔ آواز سے سمت کا اندازہ کر کے اُس نے اُسی جانب پیشقدمی شروع کر دی۔ دُھند کی وجہ سے سامنے کا منظر دُور تک تو نظر آ نہیں سکتا تھا بس وہ آوازوں کے انداز سے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

پھر دُھند کی اس دبیز چادر سے ایک مندر پہ کیے گئے چراغاں کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ مندر کو بجلی کے قمقموں سے سجایا گیا تھا لیکن دُھند میں روشنیاں کچھ دُھندلی سی جا رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ گاؤں کے باہر بنے مندر سے کچھ فاصلے پر ایک کھیت میں بیٹھا صورتِ حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ جلد ہی اُس نے اندازہ لگا لیا کہ مندر کے نزدیک پھٹکنے کا تو تصور ہی محال ہے۔ اُس کی کامیابی صرف ایک ہی صورت میں ممکن تھی؛ کہ کوئی بدقسمت "رام بھگت" کسی ضروری حاجت سے اِس کھیت کی طرف آئے اور وہ اُس کا شکار بنے۔

پندرہ بیس منٹ اِسی جان لیوا انتظار کی بھینٹ چڑھ گئے لیکن کوئی اُس طرف نہ آیا۔ مایوس ہو کر اب خان نے یہاں سے اُٹھنے اور مندر سے گاؤں کی طرف جانے والے راستے پر قسمت آزمائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ابھی وہ اُٹھنے کے لیے پر تول ہی رہا تھا جب اچانک اُس کے کانوں میں "رام رام" کی بھنک پڑی۔ خوشی سے اُس کا دل بلیوں اُچھل پڑا۔

دُھند میں اُس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آواز کی سمت دیکھنا شروع کر دیا۔ جلد ہی اندھیرے میں ایک ہیولا نمایاں ہونے لگا۔

نووارد کے ہونٹ سردی سے کپکپا رہے تھے اور اُس کے مُنہ سے "رام رام" بھی بڑی مشکل سے اور بہت بگڑی ہوئی شکل میں ادا ہو رہا تھا۔ خان کماد کے کھیت میں سُست لگائے بیٹھا تھا۔ "رام بھگت" اُس کے نزدیک آ رہا تھا۔ یہاں تو یوں بھی بہت اندھیرا تھا۔ اگر دن کا اُجالا بھی ہوتا تو بھی اُس کے لیے خان کو دیکھ لینا ممکن نہیں تھا۔ اُس نے خود کو چھپانے کی خصوصی تربیت کمانڈوز سے حاصل کی تھی اور کھیت کا ایک حصہ بن کر وہیں بیٹھا ہُوا تھا۔

نووارد اُس سے بمشکل چند گز ہی آگے گیا تھا جب خان نے بیٹھے بیٹھے اچانک اپنی پوزیشن بدلی اور چیتے کے سے انداز میں پنجوں کے بل اُچھل کر اُس پر سوار ہو گیا۔ ایک تو سردی نے ہی اُس کا حال پتلا کر رکھا تھا اُوپر سے خان آسمانی آفت کی شکل میں اُس کی گردن دبوچ رہا تھا۔ خوف کے مارے رام بھگت کا یہ حال تھا کہ اُس کے مُنہ سے کوئی آواز تک نہیں نکل رہی تھی۔

دوسرے ہی لمحے اُس کا شکار زمین چاٹ رہا تھا۔ آدمی درمیانی عمر کا دھان پان سا تھا۔ اُس کے گنجے سر پر لٹکتی بالوں کی لٹ اُس کے ٹھیٹھ برہمن ہونے کی چغلی کھا رہی تھی۔ خان نے اُسی طرح بیہوش برہمن کو کندھے پر لادا اور ایک سمت کو چل دیا۔ اُس نے کچھ کر گزرنے سے پہلے آنے والے وقت کے متعلق بھی پلاننگ طے کر لی تھی؛ اُسے علم تھا کہ اُس کا شکار ہوش میں آتے ہی چیخنا چلّانا شروع کر دے گا اور اُس کا بھانڈا پھوٹ جائے گا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ صبح ہونے سے پہلے اُس کی تازہ واردات منظرِ عام پر آئے۔

○

تقریباً آدھ گھنٹہ چلنے کے بعد بالآخر وہ مطلوبہ مقام پر پہنچ گیا ——— یہ کھیتوں میں گھرا

Scanned by azamm@UrduKutab.com

aazzamm@yahoo.com

ہُوا ایک ٹیوب ویل تھا جس کے مالک نے یہاں ایک کچا سا کمرہ بنا رکھا تھا۔

کماد کی فصل پک چکی تھی اور خان جانتا تھا کہ اس ٹیوب ویل کا مالک اگر اس طرف آیا بھی تو صبح کافی دیر گئے سے آئے گا۔ اُس نے لکڑی کے دروازے کو کھولا تو دروازوں نے اِس کی حرکت پر شدید احتجاج کیا تھا۔ اندر موجود واحد چارپائی پر اُس نے بیہوش پنڈت جی کو پھینکا اور اُس کی دوائن (رسّی) کھولنے لگا۔ اُس نے اپنے شکار کی جسمانی ساخت کا اندازہ لگانے کے بعد ہاتھ ذرا ہلکا رکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ جانتا تھا کہ دو تین گھنٹے تک تو یہ جاگ نہیں سکے گا۔

بے ہوش پنڈت کے پاؤں اور ہاتھ اُس نے اس طرح چارپائی سے باندھ دیے کہ اگر وہ چاہے تو خود کو رسّیوں سے آزاد کروا سکے لیکن اِس میں خاصا وقت لگ جاتا۔ اُسے علم تھا کہ اوّل تو خوفزدہ پنڈت کے ہوش میں آنے کے بعد حواس ہی باختہ ہو چکے ہوں گے اور اگر اُسے عقل بھی آگئی تو بہت دیر کے بعد آئے گی۔ رسّی سے ایک چھوٹا ٹکڑا اُس نے علیحدہ کر لیا تھا۔

باندھنے سے پہلے اُس نے "رام بھگت" کو اُس کے بلیے گیروی چولے سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اُس کے گلے میں لٹکتا جینوا اور دوسرے دھاگے بھی اُس نے اُتار کر اپنے گلے میں پہن لیے تھے۔ چولا ہاتھ میں پکڑے وہ باہر آگیا۔

دروازے پر تو اُس نے دوبارہ باہر سے گنڈی لگا دی تھی اور رسّی کا وہ ٹکڑا جو اُس نے کاٹ کر الگ کر لیا تھا اس طرح کنڈی میں پھنسا دیا کہ اندر سے بہت زور لگانے پر بھی دروازہ نہیں کھل سکتا تھا۔

باہر آکر اُس نے اپنا کوٹ اُتار دیا اور باقی کپڑوں پر وہی گیروی رنگ کا لمبا چوغا پہن لیا۔ ماتھے پر تلک تو لگا ہی رہتا تھا گلے میں جینوا اور اُلٹے سیدھے دھاگے ڈال کر اب وہ "رام بھگت" بن چکا تھا۔ اِس طرح کم از کم اُس کے لیے نزدیکی کسی شہر میں داخل

ہونا قدرے آسان ہو گیا تھا۔

○

واپسی کا سفر کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا۔ کوٹ اُس نے ایک کھیت میں دبا دیا تھا اور اب بڑی تیزی سے منوہر لال کے سمجھائے ہوئے نقشے کے مطابق سوئے منزل گامزن تھا۔ اُس نے اِس دوران ریلوے لائن اور دو تین نالے عبور کر لیے تھے اور اب وہ اندازاً پندرہ بیس میل دُور نکل آیا تھا۔

صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ آسمان پر صبحِ کاذب کی سُرخی نمایاں ہونے لگی تھی لیکن دُھند بدستور گہری ہوتی چلی جا رہی تھی۔

ابھی تک اُسے کسی خطرے کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اُس کا اندازہ تھا کہ اس طرف سے ناکام ہو کر اب بھارتی سکیورٹی نزدیکی قصبوں اور شہر میں اُس کے لیے جال پھیلائے گی۔ لیکن یہ کھیل اب اُس کے لیے نیا نہیں رہا تھا۔ وہ اب اس میں بے نام سا لُطف بھی محسوس کرنے لگا تھا۔

اگر وہ منوہر لال کے سمجھائے ہوئے نقشے کے مطابق چلا تھا تو اب جس قصبے کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ وہ یقیناً ماکھن پور ہی کا قصبہ تھا۔ سورج نے بھیگے ہوئے کھیتوں اور گہری دُھند کے عقب سے سر اُٹھانا شروع کر دیا تھا۔ اور خان کے قدم بڑی تیزی، احتیاط اور اعتماد سے ماکھن پور کے اُس بڑے مندر کی طرف اُمڈ رہے تھے جس کے ماؤڈ سپیکروں نے آسمان سر پہ اُٹھا رکھا تھا۔

"جگ راتا" ختم ہو رہا تھا اور اب اِس مندر سے "رام سوامی اُستو" کا جلوس تیار ہو کر نکل رہا تھا۔ منوہر لال کے بتائے ہوئے نشانات کی مدد سے اُس نے پہچان لیا کہ یہ واقعی "ماکھن پور" ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ماکھن پور کے ایک بازار میں سردی سے ٹھٹھرتے لوگوں کے ساتھ

Scanned by aazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"رام رام" کی مالا جپتا بڑے مندر کی طرف جا رہا تھا۔ یہ سب لوگ اس جلوس میں شرکت کے لیے نزدیکی دیہاتوں سے گیروی رنگ کے لمبے لمبے چولے پہنے اس طرف آ رہے تھے۔ ماکھن پور کے نزدیکی تین چار دیہاتوں کے نام ذہن میں دھرا کر اُس نے خود کو دِل ہی دِل میں ایک دیہات سے منسوب کیا اور بڑے اعتماد سے مندر کی طرف چل دیا۔

رام کی پالکی مندر کے باہر دھری تھی اور ارد گرد کے دیہاتوں کے سینکڑوں لوگ وہاں جمع ہو رہے تھے۔ لوگوں کی اس بھیڑ میں وہ بھی غائب ہو گیا۔ جلوس کے شرکاء میں مقامی مندر سے "پرشاد" تقسیم کیا جا رہا تھا۔ خان نے مٹھائی اور چائے کا ایک بڑا مگ پی کر خود کو تازہ دم کیا اور اپنی راہ چلنے لگا۔

جلوس نے اَب آہستہ آہستہ رینگنا شروع کر دیا تھا۔ لوگ اُونچی اُونچی آواز میں کورس کی شکل "آرتی" گا رہے تھے۔ وہ بھی شرکاء کی آواز میں آواز ملا کر بڑے خشوع و خضوع سے رام نام الاپ رہا تھا۔ جلوس نے شہر کا چکر لگانا شروع کر دیا تھا۔ اور اُس کے شرکاء کی تعداد اَب ہزاروں میں پہنچ چکی تھی۔

جلوس اَب شہر کے بڑے دروازے سے گزر رہا تھا۔ جلوس کے ہزاروں شرکاء نے اِسی رنگ کا اِسی طرز کا لباس پہن رکھا تھا۔ اور کوئی بھی اُن سے الگ نظر نہیں آتا تھا۔ خان جان بوجھ کر جلوس کے قریباً درمیان میں چل رہا تھا۔ بازار کے دونوں اطراف بنے مکانات اور دکانوں پر سے لوگ جلوس پر پھولوں کی پتّیاں نچھاور کر رہے تھے۔ ان پتّیاں نچھاور کرنے والوں میں اُسے دو تین مُشتبہ چہرے بھی دکھائی دیئے لیکن اَب وہ اُن کی دسترس سے باہر ہو چکا تھا۔

جلوس کے شرکاء اَب پہلے سے تیار لاریوں میں سوار ہو کر انبالہ جا رہے تھے جہاں کسی بڑے مندر میں پوجا کی آخری رسومات ادا کرنی تھیں۔ خان بھی ایک ایسی ہی لاری کی چھت پر دوسرے لوگوں کے ساتھ سوار ہو گیا۔ وہ جان بوجھ کر چھت پر بیٹھا تھا۔ لوگ

لاریوں میں بُری طرح ٹھنسے ہوئے تھے۔ چھت پر بھی سوار تھے اور لاریوں کی پُشت سے لگی لوہے کی سیڑھیوں سے بھی چمٹے ہوئے تھے۔

یہ ٹوٹی پھوٹی لاریاں یاتریوں کے بوجھ سے دبی ہوئی تھیں اور خان کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی بھی لمحے پچک کر رہ جائیں گی۔ شہر کے باہر تک ایسی لاریوں کی قطار لگی ہوئی تھی اور وہ کیڑی کی چال چلتی شہر سے باہر انبالہ کو جانے والی سڑک کی طرف رینگ رہی تھیں۔

اب وہ لوگ شہر سے باہر آ چکے تھے۔ مسلسل جوش و خروش کا مظاہرہ کرنے اور نعرے لگانے سے خان کو اپنا حلق اب دُکھتا محسوس ہو رہا تھا۔ اُس کے جوش میں اب خاصی کمی آ گئی تھی۔ شہر کے باہر دو تین میل تک یہی کیفیت رہی۔ اچانک خان نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

"کیا ہے بے؟" ایک پنڈت کے سر پر جونہی اُس نے پاؤں دھرا وہ زور سے چلّایا۔

"شما کیجئے"۔۔۔ خان نے اُوپر بیٹھے بیٹھے اُنگلی سے پیشاب آنے کا مخصوص اشارہ کیا۔

پنڈت نے بُڑبُڑاتے ہوئے اپنا کندھا ایک طرف ہٹا لیا اور خان باقی لوگوں کی گالیاں سُنتا بالآخر رینگتی بس سے نیچے اُتر آیا۔ اُس نے پیشاب کرنے کے لیے واقعی کھیتوں کا رُخ کیا تھا لیکن کھیتوں میں وہ رُکا یا بیٹھا نہیں تھا بلکہ اندر ہی اندر چلتا رہا۔

اِس دوران اُس نے چولے سے نجات حاصل کر لی اور اُسے کھیتوں ہی میں دبا دیا۔ اَب وہ یہاں سے ڈیڑھ میل دُور ایک دوسری سڑک پر پہنچ چکا تھا۔ قریباً آدھ گھنٹے بعد وہ پٹیالہ جانے والی پنجاب روڈ ویز کی ایک بس میں سوار ہو رہا تھا۔

بس نے اُسے دوپہر کے بعد پٹیالہ پہنچا دیا۔۔۔۔!

لاری اڈّے پر پہنچتے ہی اُس نے بازار کا رُخ کیا اور ایک "وشنو ڈھابے" میں

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

جاگھسا۔ دال پھلکا کھانے اور چائے پینے کے بعد وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔ اُس کے چہرے پر دُور دُور تک کہیں بھی تھکاوٹ کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

پٹیالہ ہی کے ایک ہوٹل میں اُس نے اپنے لیے ایک کمرہ بُک کروایا اور جب وہ ہوٹل میں داخل ہو رہا تھا تو خاصا مہذب دکھائی دے رہا تھا: ایک بریف کیس اُس کے ہاتھ میں تھا اور تازہ خریدے گئے ریڈی میڈ کپڑے اُس نے پہن رکھے تھے۔

اُسی ہوٹل سے اُس نے دہلی میں اپنے گھر کے لیے کال بُک کروائی۔

—— جب وہ اپنے کمرے میں موجود ٹیلیفون ایکسچینج پر دہلی میں رما سے بات کر رہا تھا تو اُس ہوٹل کے منیجر کی جو معمولی سی آئی ڈی کا ٹاؤٹ بھی تھا مکمل تسلی ہو چکی تھی۔

رما نے اُس کے مختصر مدت کے لیے غائب ہو جانے پر بھی بڑی بیقراری کا اظہار کیا تھا اور خان نے جان بوجھ کر مسٹر سہائے سے بھی بات کی تھی اور یہی بہانہ تراشا تھا کہ وہ یہاں پنجاب میں سستی مارکیٹ دیکھ کر آیا ہے۔ اُس نے مسٹر سہائے کو بتایا تھا کہ اُس نے پٹیالہ میں کینوس بنانے والے بہت سے کاریگروں سے جنہوں نے اپنے گھروں میں پاور لومز لگا رکھی ہیں بات چیت کر لی ہے۔

مسٹر سہائے تو اُس پر بچھا جا رہا تھا ——!!

رات کا کھانا خان نے اپنے کمرے ہی میں منگوایا اور جلدی سو گیا۔ اگلے روز علی الصباح اُس کی آنکھ مندروں اور گوردواروں میں سے اٹھنے والے پوجا پاٹ کے شور کی آواز سے کھلی۔ ہوٹل کے منیجر نے جسے اُس نے رات ہی اپنا دوست بنا لیا تھا اُس کے لیے صبح دس بجے جانے والی گاڑی کے اوّل درجے کی سیٹ بُک کروا رکھی تھی۔

اس نے خان کو بڑا بزنس مین سمجھ کر درخواست کی تھی کہ وہ جب بھی پٹیالہ آئے اُس سے ضرور ملا کرے۔ خان نے بھی رسماً اُسے جوابی دعوت دی تھی۔

شام گئے جب وہ دہلی کے سٹیشن پر گاڑی سے اُترا تو کشور اور رما اُس کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ اُس نے رات ٹیلی فون پر رما کو اس بات کا امکان ظاہر کیا تھا کہ وہ شاید اس ٹرین سے واپس آئے اور وہ یہاں سٹیشن پر چلی آئی تھی۔

"میں تو اب جاتا ہوں دیدی! تم سنبھالو بھیّا کو ——" کشور نے سٹیشن کے باہر آ کر موٹر سائیکل سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"جاؤ دفع ہو جاؤ ——" رما نے بظاہر ناراضگی کا اظہار کیا۔

"شکر ہے بھگوان کا۔ مجھی اسے ساتھ لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔" خان نے اس کی روانگی پر ٹھنڈی سانس لی۔

جواب میں رما ہلکا سا قہقہہ لگا کر رہ گئی۔

دونوں نے سیدھے گھر جانے کے بجائے ایک ریستوران کا رُخ کیا —— اور تھوڑی دیر بعد ہی دہلی کے ایک مشہور ہوٹل کے فیملی کیبن میں بیٹھے ہوئے دونوں کافی کی پیالیاں سامنے رکھے اپنے مستقبل کے خواب بُن رہے تھے۔

ہال میں ہلکا ہلکا میوزک بج رہا تھا اور خان رما کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا جو اُس سے صاف صاف کہہ رہی تھیں: ستاروں کی تابندگی اور بہاروں کی رعنائی صرف اور صرف ہمارے ہی دَم سے ہے —— ہم ہی تو ہیں جنہوں نے سمندروں کو گہرائیاں دی ہیں۔

دونوں کے درمیان میز موجود ہونے کے باوجود رما کے پیار کی تپش اس کو جلائے جا رہی تھی۔ اُس کا بدن آگ کی طرح حرارت بخش اور دل دودھ میں دھوئے سنگِ مرمر کی طرح اُجلا اور بے داغ تھا۔ خان نے کئی مرتبہ اُس کے آبنوسی ماتھے پر ایک پُراسرار پُرتقدس سی چمک کو لہراتے دیکھا تھا —— اور اُس لمحے اُسے یہ لڑکی کسی اور ہی دُنیا کی مخلوق دکھائی پڑتی تھی۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

دوسری طرف رما سوچ رہی تھی: "کہ کیا زندگی اتنی خوبصورت بھی ہو سکتی ہے؟"

اُس نے لڑکپن ہی سے جو ایک خواب دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اُس کی تعبیر کتنی جلدی اُسے مل گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی: "کہ اس سنسار میں کوئی اور ایسی خوش نصیب لڑکی بھی ہو گی جس نے اُس کی طرح خواب دیکھا اور اُس کی تعبیر بھی فوراً پا لی ——؟" ہوٹل میں لوگوں کی آمد میں مزید اضافہ ہونے لگا تھا اور رما یہاں بیٹھی خاصی گھبراہٹ محسوس کرنے لگی تھی۔

"آؤ کہیں اور چلتے ہیں۔" اُس نے اپنی کھل آنکھوں سے خان پر جادو پھونکتے ہوئے کہا۔

"اچھا" —— خان نے کسی سحر زدہ معمول کی طرح جواب دیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایک مودب بیرا دونوں کو اٹھتے دیکھ کر بل لے آیا تھا۔ بل رما نے ادا کیا تھا اور ہوٹل کے باہر ایک ٹیکسی کی طرف بڑھنے لگی۔ خان نے اُس سے کچھ نہ پوچھا اور اُس کے پیچھے پیچھے خاموشی سے کھنچا چلا آیا۔

"کناٹ پیلس"

رما نے دروازہ بھی خان کے لیے خود ہی کھولا تھا اور اُس کے برابر بیٹھتی ہوئی ٹیکسی ڈرائیور سے مخاطب ہوئی تھی۔

راستے میں دونوں میں سے کسی نے کوئی بات نہ کی۔ خان کی خواہش تھی کہ شام ڈھلنے تک وہ لوگ گھر پہنچ جائیں کیونکہ اُسے اُسی رات اپنے پاس موجود کاغذات کو کسی اور محفوظ ہاتھوں تک پہنچانے کے بارے ہدایات موصول ہونا تھیں۔ کبھی کبھی تو وہ رما کے سامنے خود کو بالکل بے بس سا محسوس کرنے لگتا تھا۔ آج بھی نیلی ساڑھی میں ملبوس اس آرٹسٹ لڑکی نے اُسے مغلوب کر کے رکھ دیا تھا۔ یہ اُس کا رعبِ حسن تھا کہ خان بہت کچھ چاہنے کے باوجود اُسے کچھ نہ کہہ سکا۔

دونوں جمنا کے کنارے کنارے چلتے بہت دُور تک آ گئے تھے۔ اس دوران رما اُس سے باتیں کرتی رہی اُسے اپنے بچپن، سکول، کالج کی باتیں سُناتی رہی اور وہ "ہوں، ہاں" کرتا رہا۔ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اور دریا کنارے بنے اُس مخصوص پتھر پر کھڑے ہو گئے جہاں رما اکثر اُسے لایا کرتی تھی۔

دونوں ایک دوسرے میں گم دُور مغربی اُفق میں ڈوبتے سورج کا نظارہ کر رہے تھے۔ —— ڈوب جانے سے پہلے شفق کی سُرخی سے اس کے سارے دن کا بڑھاپا شگفتہ اور جوان لگ رہا تھا اور اپنی موت سے بغلگیر ہو ہو کر اُس کا سر جمنا کے پانیوں کی گہرائیوں میں ڈھلکتا جا رہا تھا۔ سورج کی روشنیوں کی موت کا یہ منظر دریا کی سطح پر زندگی کی بڑی خوبصورت پیاری رنگ برنگی اور متحرک شکلیں بنا رہا تھا۔ شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر اُس نے رما کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دبا دیا۔

"چلئے" —— رما نے کسی پیش آمدہ طوفان کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے وہاں سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا تھا۔

"چلو"

دونوں شام ڈھلے گھر پہنچے تو گھر کے سب ہی لوگ اُن کے منتظر تھے۔ شاید کشور نے گھر والوں کو اُن کی آمد سے باخبر کر دیا تھا۔

"ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا" —— رما نے کسی کے پوچھنے سے پہلے ہی دیر ہونے کا جواز پیش کر دیا حالانکہ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

مسٹر سہائے نے خان کو بتایا تھا کہ بلاقی رام کو انہوں نے اگلے ہفتے اُس کے بیوی بچوں سمیت دعوت پر بُلایا ہے۔

"شکر ہے بھگوان کا کہ آپ بھی بزنس مین بننے لگے" —— خان نے ہنستے ہوئے کہا۔

کھانا سب نے اکٹھے ہی کھایا تھا۔ پھر وہ سب ٹی۔ وی کے سامنے آ کر حسبِ سابق بیٹھ گئے۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

تھوڑی دیر بعد ہی مسٹر ارون کمار کے لیے فون آگیا۔

"ارے کیا مصیبت ہے بھئی۔" فون سن کر وہ بڑبڑاتا ہوا اسی کمرے میں آگیا۔

"کیا ہوا؟" مسٹر سہائے نے پوچھا۔

"ہونا کیا تھا۔ رات دس بجے کی گاڑی سے ایک دوست آرہا ہے۔"

"بیٹا مہمان تو بھگوان کی دیا ہے۔" مسز سہائے نے سمجھایا۔

"جی اگر دن میں آئیں تو ——— اتنی رات گئے نہیں۔" کشور کی بات پر سب ہنس دیئے۔

اس نے احتیاطاً ابھی تک اپنے کپڑے بھی تبدیل نہیں کیے تھے۔ یہ فون مقامی دوستوں کی طرف سے تھا۔ جس میں اسے بتایا گیا تھا کہ اس نے اپنے پاس موجود کاغذات کس کو اور کہاں منتقل کرنے ہیں۔

"یار ذرا موٹر سائیکل کی چابی تو دینا" ——— اس نے کشور سے درخواست کی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایئرپورٹ کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ اس مرتبہ خصوصی احتیاط برتی گئی تھی اور اسے صرف آدھ گھنٹے کا وقت دیا گیا تھا۔ مطلوبہ وقت تک وہ بہرحال ایئرپورٹ پر پہنچ چکا تھا۔

دہلی کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر مختلف ایئرلائنز کے جہاز چڑھ اور اتر رہے تھے اور وہ مسافروں کے لاؤنج کے بالکل سامنے بنے ٹیلی فون بوتھ کے نزدیک آکر کھڑا ہو گیا۔ ایئرپورٹ کی گھڑی نے جب ٹھیک ساڑھے نو بجائے تو اس نے ٹیلی فون بوتھ کے گرد اس طرح دو تین چکر کاٹے کہ اگر کوئی اس طرف دیکھ رہا ہو تو وہ اس کی حرکات کا اچھی طرح جائزہ لے سکے۔

اس کے بعد بوتھ کے نزدیک کھڑے ہو کر اس نے اپنے ہاتھ انگڑائی لینے کے سے انداز میں فضا میں بلند کیے اور وہاں سے چلتا ہوا لمبی راہداری کے ایک کونے میں

بنے ٹی سٹال پر آگیا۔ جہاں مسافروں اور ان کے عزیزوں کے علاوہ مختلف ائرلائنوں کے ملازمین بھی سردی میں چائے اور کافی کی چسکیاں لے رہے تھے۔

ابھی اسے وہاں رکے بمشکل دو منٹ ہی گزرے تھے جب اس نے ٹیلی فون بوتھ کے عقب سے ایک مخصوص ائرلائن کی وردی میں ملبوس سٹیورڈ کو اس طرف آتے دیکھا۔ اس کا دل بڑی زور سے چند لمحوں کے لیے دھڑکا، پھر نارمل ہو گیا۔

"ایک چائے" ——— خان نے ٹی سٹال والے کو مخاطب کیا۔

"ایک نہیں دو" ——— نووارد اب اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا تھا ——— "معاف کیجئے" اس نے خان کو مخاطب کیا ——— "سردی آج کچھ زیادہ ہی ہو گئی ہے۔"

"موسم کا کیا اعتبار۔" خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس دوران اس نے نووارد کی ٹائی میں لگی ایک مخصوص پن بھی دیکھ لی تھی۔

دونوں چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے موسم پر گفتگو کرتے رہے خان نے چاہا کہ بل ادا کر دے لیکن نووارد جس نے اپنا نام اشوک بتایا تھا ——— اسے روک دیا اور اپنی بیک پاکٹ سے بٹوہ نکال کر اس میں سے پیسے نکالنے لگا۔ چائے والے کو پیسے دیتے ہوئے اس نے بٹوہ خان کے سامنے کھولا تھا اور اس میں موجود پاکستانی کرنسی نوٹ خاص طور سے اسے دکھا دیئے۔ یہ آخری "کوڈ" تھا جو اس کی طرف سے خان کے لیے منتقل ہوا۔

"آیئے چلیں" ——— خان نے کہا اور اس کے آگے آگے چل دیا۔

"اس طرف" ——— اشوک نے اس کی رہنمائی ایک قدرے ویران گوشے کی طرف کی۔

دونوں ہوائی اڈے کے ٹائیلٹ روم کی طرف جا رہے تھے ——— اس جگہ دونوں کے علاوہ اور کوئی مسافر نہیں تھا۔ دونوں کی آنکھیں داخلے کے دروازے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

خان نے بڑی ہوشیاری سے تہہ شدہ کاغذوں کا لفافہ نکال کر اسے تھما دیا اور

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

آشوک نے اُس سے بھی زیادہ ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ لفافہ اپنے "زیرِ جامہ" میں محفوظ کر لیا۔

"آپ چلیں ـــــ تھوڑی دیر بعد میری فلائیٹ بھی جانے والی ہے۔ مجھے فوراً جہاز جائن کرنا ہے۔" اُس نے مُسکراتے ہُوئے پتلون کے بٹن بند کرتے ہوئے کہا۔

"شُکریہ خدا حافظ۔"

"خدا حافظ" ـــــ اُس کے ساتھی نے کہا اور خان باہر نکل آیا۔

○

خان تھوڑی دیر کے لیے رُک گیا ـــــ اُس کی نظریں اشوک کے چلتے ہوئے قدموں پر جمی تھیں کہ اُسے ایک چاپ سنائی دی ـــــ وہ ٹھٹکا، سنبھلا اور مُڑ کر دیکھنے لگا:

وہاں کوئی نہیں تھا ـــــ

کوئی بھی نہیں! البتہ ایک آواز آ رہی تھی: "اب کتنا عجیب لگتا ہے یہ سب کچھ ـــــ کبھی کبھی تو اپنا وطن عزیز، گھر بار، ماں باپ، بہن بھائی اتنے یاد آتے ہیں کہ رگیں ٹوٹنے لگتی ہیں، لیکن ـــــ

ـــــ ایک ہی سوچ مطمئن کر دیتی ہے: ہم یہاں اُنہی کے لیے تو ہیں ـــــ اُنہی کی خوشیوں کے لیے!

وہ بولتے بولتے خاموش ہو گیا، پھر اُس نے خود سے سوال کیا:

"کس شہر کے رہنے والے ہیں؟"

"میں؟"

"میں؟ ـــــ سارے شہر ہی تو میرے شہر ہیں! اب تو یوں لگتا ہے جیسے میرا وجود پاکستان کے سارے شہروں کی مٹی کا مُرکّب ہے۔"

اور اگر اللہ نے چاہا تو ممکن ہے اپنے اپنے مشن کی تکمیل کے بعد ہم سُرخرو ہو کر

اپنے وطن میں آئیں۔

ـــــ اپنے پاکستان میں آئیں اور ایک دوسرے سے دوبارہ مل سکیں۔"

وہ دِل ہی دِل میں جانے خود سے کیا کچھ کہتا رہا اور موٹر سائیکل گھر کا راستہ بڑی تیز رفتاری سے کاٹتی رہی۔

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com
Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

بہن کی پہچان

گھر پہنچنے کے لیے اُس نے سیدھا راستہ اختیار نہیں کیا تھا، بلکہ رُک رُک کر مختلف سڑکوں سے گھومتا ہُوا رات گیارہ بجے کے بعد گھر پہنچا تھا۔

پچھلے اڑتالیس گھنٹے سے جو کاغذات اُس کے جسم کا حصّہ بنے ہوئے تھے۔ اُن کی خود سے محفوظ علیحدگی اور پھر محفوظ ٹھکانے تک پہنچ جانے کے بعد وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

رات دیر گئے تک حسبِ معمول وہ رَما سے باتیں کرتا رہا ـــــ کبھی کبھی اُسے بڑی اُلجھن سی ہونے لگتی تھی: رَما ہمیشہ ایک سی باتیں کرتی تھی ـــــ لیکن دونوں گھنٹوں باتیں کرنے کے بعد بھی ایک بے نام سی تشنگی محسوس کرتے تھے۔

صبح دیر تک وہ سوتا رہا۔ سب لوگ اپنے کام کاج سے جا چکے تھے۔ بُوڑھا سہائے ایک کرسی پر دھوپ میں ٹانگیں پھیلائے اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اُس نے کمرے سے باہر سہائے اور مسز سہائے پر نظر پڑتے ہی "پائے لاگوں" کا نعرہ بلند کیا اور غسلخانے میں جا گھُسا۔

ماتا جی نے اُس کے لیے تازہ ناشتہ تیار کیا تھا کیوں وہ اپنے دھرم پُتر کی اس عادت کا اندازہ لگا چکی تھیں کہ وہ کبھی باسی چیزیں نہیں کھاتا تھا۔ ناشتے سے وہ ابھی فارغ ہی ہوا تھا کہ سوشیل اپنے بچّوں کے ساتھ آ گئی۔ سوشیل کے بچّے اَب اُس سے بہت

بے تکلف ہو گئے تھے۔ اُسے دیکھتے ہی دونوں "انکل انکل" پکارتے خان کی طرف لپکے اور اُس کی بانہیں بے اختیار پھیلتی چلی گئیں۔ پھر دونوں کو اُس نے اپنے پھیلے ہُوئے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

ناشتے سے فارغ ہوتے ہی خان نے عادت کے مطابق اخبار اُٹھایا اور اُس پر سرسری نظریں دوڑانی شروع کر دیں۔ پہلے ہی صفحے کے ایک کونے میں لگی خبر نے اُسے چونکایا۔ یہ خبر دہلی اور پنجاب کے مختلف شہروں میں پاکستانی جاسوسوں کے کارناموں کے متعلق تھی۔ اخبار نے اپنے ایک خفیہ ذریعے کے حوالے سے دعویٰ کیا تھا: کہ دو روز پہلے پاکستانی جاسوسوں نے انبالہ کے ہوائی اڈے سے کچھ انتہائی اہم دستاویزات اُڑا لی ہیں۔"

گو کہ اس خبر کی تصدیق سرکاری ذرائع نے نہیں کی تھی مگر اخبار اِس بات پر بضد تھا! اُسی اخبار نے یہ بھی لکھا تھا: "کہ اس سے پہلے بھی جاسوسوں کا یہی گروہ دہلی سے بھی بہت سی اہم دستاویزات اُڑا کر پاکستان پہنچا چکا ہے اور بھارتی انٹیلی جنس کو ان جاسوسوں نے لوکھلا کر رکھ دیا ہے۔"

"دیکھی پاکستانی جاسوسوں کی خبر" ـــــ جیسے ہی خان نے اخبار لاپروائی سے ایک طرف پھینکا سہائے نے اُسے مخاطب کیا۔

"بے پر کی اُڑاتے ہیں یہ اخبار والے" خان نے مُنہ بگاڑ کر دہلی کے کرخنداری لہجے میں کہا۔

سب ہی لوگ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"ہونہہ" ـــــ سہائے نے مزید طنز کی ـــــ "یہ سالے ٹریننگ دے رہے ہیں اپنی چھاؤنیوں میں مُکتی باہنی کو ـــــ برخوردار میں نے آدھی زندگی مسلمان پولیس افسروں میں گزاری ہے۔ ایک بات یاد رکھنا کہ ہم تو سوچتے ہی رہ جائیں گے ۱۹۶۵ء میں بھی یہی ہُوا تھا اور ۱۹۶۷ء میں بھی اُدھر کشمیر میں یہی تو ہوا تھا۔ یہ پلاننگ ہی کرتے رہ جاتے ہیں۔"

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

سہائے نے اچھا خاصا تبصرہ کر دیا۔

خان نے محسوس کیا تھا کہ جب سے وہ اس کے چھاؤنیوں میں تربیت لیتے بنگالی غداروں کو دیکھ کر آیا ہے تب سے ان معاملات میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لینے لگا تھا ورنہ تو پہلے کبھی سہائے کو اخبار غور سے پڑھتے ہی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی تھی کہ اب اُسے زندگی میں پہلی مرتبہ کچھ معاشی سکون میسر آیا تھا اور اُس کی عادات میں بھی بڑے نامحسوس طریقے سے ایک تبدیلی سی آنے لگی تھی۔

"جانے بھی دیجئے بابو جی!" سوشیل نے باپ کو لوکا ــــ "ہفتہ میں ایک آدھ فلم آنا ہوتا ہے اور آپ پر نجانے آجکل یہ سیاست کیوں سوار ہونے لگی ہے کوئی اور بات کیجئے ناں۔"

"ارے بابا انسان ہوں میں بھی۔ مجھ پر بھی سرد گرم کا اثر تو ہوگا۔ اچھا خیر جانے دو۔" پھر وہ خان سے مخاطب ہوا ــــ "کل آرہا ہے وہ ــــ تمہارا بلاقی رام اپنے پرولو کو لے کر۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے مستقبل میں دو تین اور آرڈرز مل جائیں گے۔" خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک تو تم دونوں پر نجانے بلاقی ہی کیوں سوار رہتا ہے ــــ کون ہے یہ مُوا۔" مسز سہائے نے پوچھا۔

"ارے ماتا جی! آپ دیکھو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔"

○

دیر گئے تک وہ باتیں کرتے رہے۔ پھر خان سوشیل کے دونوں بچوں کو شاپنگ کروانے اپنے ساتھ بازار لے گیا۔ اُس کی واپسی دوپہر کے بعد ہوئی۔ تب تک رما بھی کالج سے واپس آچکی تھی۔ اُس کے انتظار میں ابھی تک کسی نے کھانا نہیں کھایا تھا۔

"شام کو رجنی بہن بھی آرہی ہے ناں! فلم دیکھنے چلیں گے سب لوگ ــــ" اُس نے کھانے سے فارغ ہو کر کہا۔

"ارے کیوں نہیں۔ ونڈرفل۔" سوشیل نے خوشی کا اظہار کیا تو ماتا جی نے اُسے بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ شاید انہیں اپنے "دھرم پُتر" کی دولت کا اس طرح ضیاع ہونا پسند نہیں تھا۔

"اصل میں کل ہمارے ہاں جو مہمان آرہے ہیں ناں ماتا جی! وہ لوگ اتنے بور ہوں گے کہ بس آپ سے کیا کہوں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آج کا دن ذرا ٹھیک ٹھاک ہی گزرے۔"

"ارے کیوں نہیں بیٹا! پھر رجنی بیٹی بھی تو آنے والی ہے۔" مسز سہائے نے کہا۔

وہ لوگ ابھی باتیں ہی کر رہے تھے جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ یہ رجنی کا فون تھا اور وہ اپنے دفتر سے اپنے "دھرم ویر" کو اپنی فوری آمد کی اطلاع دے رہی تھی۔

"تم ذرا موٹر سائیکل پر لے آؤناں اُسے۔ دیر ہو گئی تو رات کا آخری شو دیکھنا پڑے گا ــــ مجھے تو نیند آنے لگتی ہے۔" آشا نے کشور سے کہا۔

اُس نے کھا جانے والی نظروں سے آشا کی طرف دیکھا کیونکہ خان کے سامنے وہ انکار تو نہیں کر سکتا تھا! پھر اچھا کہہ کر باہر نکل گیا ــــ کشور کی واپسی ڈیڑھ دو گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ رجنی اب اس گھر کے فرد کی سی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ خان بھی اُس کے گھر میں بالکل اسی طرح چلا جاتا تھا۔ جیسے یہاں مسٹر سہائے کے گھر میں۔ رجنی کی ماں کو وہ "موسی" کہا کرتا تھا اور اُس کا دل بھی اُس نے پہلی ہی ایک دو ملاقاتوں میں جیت لیا تھا۔ رجنی نے اپنی ماں کو بتایا تھا "کہ خان نے اُس کا بدلہ چکایا ہے۔" وہ خود اُس کی بہت ممنون تھی کہ خان نے جیتے جی اُس کے سر سے ایک بڑا بوجھ اُتار دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ خود رجنی کے ساتھ اُس کے گھر جا رہا تھا۔ راستے میں رجنی بغیر

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

کچھ کہے سُنے شروع ہو گئی تھی! انٹیل جنس کی تربیت کے باوجود اُس کی عورتوں والی فطرت ابھی تک قائم تھی۔ اُس کی ہمیشہ سے خواہش ہوتی تھی کہ وہ اپنے پاس موجود اطلاعات جتنی جلدی ممکن ہو خان کو منتقل کر دے۔ خان اس کی باتیں اپنے ذہن میں نقش کر کے اُنہیں اپنے مُلک کو منتقل کر دیا کرتا تھا لیکن بظاہر وہ یوں دکھائی دیتا جیسے اُس کی گفتگو میں کوئی دلچسپی نہ لے رہا ہو۔

آج رجنی نے اُسے جو اطلاع دی تھی وہ واقعی چونکا دینے والی تھی۔ اُس نے بتایا تھا: "کہ آج ایک کرنل بڑی اہم اطلاعات لے کر یہاں پہنچا ہے ــــ یہ کرنل پاکستان افواج کے ہیڈ کوارٹر میں انٹیلی جنس سے ڈیل کرتا رہا ہے۔"

"سچ ــــ؟" خان کے مُنہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ اُس نے محسوس کیا کہ یہ "سچ" اُس نے ایکٹنگ کرتے ہوئے نہیں ادا کیا تھا۔

"ہاں بھیّا۔ ہم نے اُسے یہاں ایک شاندار بنگلے میں ٹھہرایا ہوا ہے۔" اُس نے خان کو بنگلے کے ایڈریس سے بھی مطلع کر دیا ــــ "اب دیکھنا یہاں موجود پاکستانی ایجنٹ کیسے گرفتار ہوتے ہیں۔ بھیّا ان لوگوں نے تو ہمیں چکرا کر رکھ دیا ہے۔ وہ تم نے آج اخبار دیکھا ہے ناں؟"

"ہاں! ہاں! بھئی مجھے تو ان خرافات میں کوئی دلچسپی نہیں بس تمہاری وجہ سے ایسی خبریں پڑھ لیتا ہوں کہ ہماری بہن بھی کبھی کوئی کارنامہ سرانجام دے دے اور اُس کی تصویر بھی اخبار میں اسی طرح چھپے۔ ورنہ جہنم میں جائے یہ سب کچھ۔ مجھے اس سے کیا ــــ ہاں آج ایک خبر تو تھی ایسی" ــــ لیکن یہ سالے اخبار والے یونہی بے پَر کی اُڑا دیتے ہیں۔"

"نہیں بھیّا" ــــ رجنی نے اُسے ٹوکا "یہ بالکل سچ ہے اور وہ دونوں باتیں ہی سچ ہیں۔"

"تمہیں کیسے پتہ؟" خان نے اُسے یونہی کُریدا۔

"آج اخبار کی یہ خبر ہمارے دفتر میں بحث کا موضوع بنی رہی اور بڑی گرما گرمی بھی ہوئی۔ ایک بڑے آفیسر نے طیش کھا کر بتایا کہ وہ خود اس کیس کو ڈیل کر رہا ہے۔ تب ہمیں یقین آیا۔"

"اچھا بھئی اگر تم نے بھی ایسی ہی باتیں کرنی ہیں تو مَیں چلا ــــ" خان نے واپس مُڑتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں۔ سوری بھیّا۔ دیکھو ناں ایک تم ہی تو ہو۔ جس سے دل کی باتیں کر لیتی ہوں اور تو کوئی ایسا ہے نہیں۔"

"ہاں بھئی یہ تو ہے۔ لیکن اب تمہارے لیے "کوئی ایسا" ڈھونڈنا ہی پڑے گا۔ ورنہ اس رفتار سے موٹی ہوتی رہی تو....." خان نے بات نامکمل ہی چھوڑ دی۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے بابا۔ ایسی بات نہیں کریں گے۔" رجنی نے اُس کے مُنہ کے سامنے ہاتھ کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

کبھی کبھی تو خان کو رجنی سے مل کر بڑی شدت سے اپنی بہن کی یاد ستانے لگتی تھی۔ وہ سوچتا یہ رشتہ بھی کتنا نازک اور حساس ہے۔ چاہے زبردستی ہی قائم کیا جائے لیکن اپنا تقدس منوا کر رہتا ہے۔

○

موسی اُس کی شکل پر نظر پڑتے ہی اُس کی بلائیں لینے کے لیے بے اختیار آگے بڑھی۔ اُس نے خان کے "نہ نہ" کرنے کے باوجود بھی اُس کے لیے چائے بنا دی۔ دونوں کچھ دیر وہیں رہے پھر رجنی اُس کے ساتھ ہی اُن کے گھر آ گئی۔

"کوئی ڈملا صاحب اب تک تین مرتبہ فون کر چکے ہیں۔" مسز سہائے نے گھر میں داخل ہوتے ہی خان کو چیتاونی دی۔ ڈملا نام پر وہ چونکا۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

انہوں نے یہ نمبر لکھایا ہے بھیا کہ جب آپ آئیں تو فوراً یہاں فون کر لیں۔" کشور نے ایک پرچی اُس کی طرف بڑھا دی۔

"ارے یار یہ ڈلا صاحب کب میری جان چھوڑے گا۔ ایک تو اس مُلک میں کسی سے ہنس کر بات کر لو وہی گلے لگ جاتا ہے۔ شریمان سے ایک مرتبہ ٹرین میں دوستی ہو گئی تھی۔"

"مَیں تو اسی لیے کسی سے بے تکلف ہی نہیں ہوتا۔" کشور نے فوراً ہی کہہ دیا۔

"یہ تو لوگوں پر احسان ہی کرتے ہو۔" آشا بولے بغیر نہ رہ سکی۔

پھر وہ دونوں آپس میں اُلجھنے لگے اور خان فون کرنے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ پہلی ہی کوشش پر نمبر مل گیا۔ فون کسی مسٹر ڈلا نے ہی ریسیو کیا تھا۔ اپنی پہچان مکمل کروانے کے بعد اُس نے خان تک تازہ مشن پہنچا دیا:

"کرنل ایکس تھری جنرل ہیڈ کوارٹر سے فرار ہوا ہے۔ ہماری اطلاعات کے مطابق مرا نے اُسے کہیں دہلی کے رہائشی علاقے میں ٹھہرایا ہوا ہے۔ یہ شخص گو کہ اپنے ساتھ کاغذات نہیں لے جا سکا لیکن ہمارے لیے بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ جتنی جلدی ممکن ہو اسے تلاش کر کے ٹھکانے لگا دو۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

خان کی راہنمائی کے لیے اُسے دہلی کے دو تین کیمسٹوں کے نام بھی بتا دیئے گئے جن سے وہ کلوروفارم یا زہر وغیرہ بھی حاصل کر سکتا تھا۔ اُسے اس بات کی ہدایت کی گئی تھی کہ موت کو زیادہ سے زیادہ قدرتی بنانے کی کوشش کرے۔

"او۔ کے سر۔" کہہ کر اُس نے فون بند کر دیا۔

رجی نے اُسے تھوڑی دیر پہلے ہی جو تُرپ کا پتہ دکھایا تھا۔ وہی چال چلنے کا وقت آ گیا تھا۔ خان سمجھتا تھا کہ "ایکس۔ تھری" عہدہ رکھنے والا کرنل کتنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ یہ شخص دشمن کو پاکستان انٹیلی جنس کے کام کرنے کے بنیادی طریقِ کار سے

آگاہ کر سکتا تھا۔ اپنے لالچی پیڈ دشمن کو بتا سکتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ دشمن کو پاکستان انٹیلی جنس کے "آبجیکٹس" سے آگاہی بہم پہنچا سکتا تھا۔

"اِسے فوراً ختم ہو جانا چاہیئے۔" خان نے سوچا اور اندر چلا آیا۔

دوسرے کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس کا موڈ نارمل ہو گیا تھا۔ سب لوگوں نے چائے اکٹھے ہی پی اور پھر فلم کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ساڑھے نو بجے فلم ختم ہونے پر وہ سب کے ساتھ گھر واپس آیا۔ روانگی سے پہلے ہی اُس نے اُن لوگوں کو بتا دیا تھا کہ اُسے آج رات ڈلا صاحب سے ہوٹل میں ضرور ملنا ہے۔

"مَیں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے ملنے یہاں آئے۔" اُس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"بھیا ابھی مل آیئے ناں۔" کشور نے رائے دی۔

"واہ جی واہ۔ اَب ایسا بھی نہیں کہ اُس گدھے کے لیے اپنی فلم کا ستیاناس کر لوں۔"

"ٹھیک ہے بھیا ایک دم شاندار۔" آشا نے نعرہ بُلند کیا تھا۔

○

کھانا اُس نے سب کے ساتھ اکٹھے کھایا۔ پھر اجازت لے کر ڈلا سے مِلنے چلا گیا۔ کسی نے اُس سے ہوٹل کا ایڈریس پُوچھنے کی زحمت کی تھی۔ نہ ہی اُس نے کچھ بتایا تھا۔ موٹر سائیکل لے کر وہ سب سے پہلے رات کے پہلے پہر پُرانی دہلی کے ایک محلّے میں پہنچا۔ ٹیلی فون پر اُسے یہاں کے ایک بدمعاش سے ملاقات کا طریقہ سمجھا دیا گیا تھا۔ ایک خاص آدمی کا نام جو اُسے بتایا گیا تھا کہنے پر بدمعاش کے چمچے اُسے اپنے "باس" کے پاس لے گئے تھے۔ خان نے بغیر کچھ کہے سُنے اُس کے سامنے نوٹوں کی گڈی پھینک دی تھی۔

"۳۸ بور کا ریوالور اور گولیاں۔" اُس نے کہا اور خاموش ہو رہا۔

ٹھیک ہے۔" بدمعاش نے پیسے گِننے کے بعد مطمئن ہو کر کہا۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ خان اکیلا وہیں پندرہ بیس منٹ تک بیٹھا رہا۔ پندرہ بیس منٹ بعد اُس کی واپسی ہوئی۔ شاید اُس نے سٹاک کہیں دُور رکھا ہوا تھا۔ ریوالور اور ایک چمڑے کی تھیلی میں موجود گولیاں اُس نے خان کے سامنے پھینک دیں۔ خان نے جہاندیدہ نظروں سے بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ یہ ریوالور اُس کے مُلک ہی کے "علاقہ غیر" کا بنا ہوا تھا اور سمگل ہو کر یہاں آیا تھا۔

"مَیں اپنا اطمینان کرنا چاہوں گا"۔۔۔ اُس نے مدمعاش کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کر لو"

"یہاں؟"۔۔۔

"ہاں"۔۔۔ پھاڑ کھانے والے لہجے میں جواب ملا۔

خان نے ریوالور لوڈ کیا اور کمرے کی کھڑکی سے باہر تین فائر یکے بعد دیگرے کر دیئے۔ مطمئن ہو کر اُس نے پستول دوبارہ لوڈ کرنے کے بعد اُسے اپنے کپڑوں میں چھپا لیا۔ گولیوں والی تھیلی اُس نے پھینک دی تھی۔ گولیاں اپنی جیکٹ کی جیبوں میں منتقل کر لیں اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل آیا۔

موٹر سائیکل اُس نے احتیاطاً یہاں سے ڈیڑھ دو فرلانگ دُور کھڑی کی تھی۔ باہر گلی میں اندھیرا چھایا ہُوا تھا۔ اُسے حیرانی ہوئی کہ فائرنگ کی آواز پر کوئی اس طرف متوجہ نہیں ہوا تھا شاید یہ شخص پولیس کے تعاون سے اپنا دھندہ چلا رہا تھا۔

اس بات کا اُس نے بطورِ خاص خیال رکھا تھا کہ اُس کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔ موٹر سائیکل تک وہ محفوظ پہنچ گیا اور تھوڑی دیر بعد اُس کی موٹر سائیکل دہلی کی ایک ماڈرن آبادی کی طرف اُڑی چلی جا رہی تھی۔

اِس ماڈرن کالونی پر سناٹا چھایا ہُوا تھا کہیں کہیں بنگلوں کے برآمدوں میں لگے بلب جل رہے تھے۔ موٹر سائیکل اُس نے کالونی کے باہر بنے ایک سینما کے سٹینڈ پر کھڑی کی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

فلم کا ابھی ہاف ٹائم ہُوا تھا اور وہ جانتا تھا کہ انگریزی فلم ہاف ٹائم کے بعد ہی شروع ہوتی ہے۔

سینما گھر کی کھڑکی سے اس نے درمیانے درجے کا ایک ٹکٹ بھی خرید لیا تھا لیکن سینما ہال میں داخل ہونے کے بجائے باہر نکل آیا تھا۔ رجنی کا بتایا ہُوا ایڈریس اُس نے اندازے ہی سے قریباً آدھ گھنٹہ کوشش کرنے کے بعد تلاش کیا تھا۔

بنگلے کے دروازے پر لگی نیم پلیٹ روشن تھی اور اُس کے باہر کسی پولیس کے آفیسر کے نام کی تختی سجی تھی۔ خان نے اندازہ کر لیا کہ یہ "را" کا کوئی سیف ہاؤس ہے اور اپنے اصول کے مطابق ان لوگوں نے یہاں کوئی ایسی نشانی نہیں چھوڑی تھی کہ کسی کو اس جگہ پر شک کرنے۔

اَب اُسے اس بات کا اندازہ کرنا تھا کہ اندر کتنے لوگ موجود ہیں۔ بنگلے کے برآمدے والا بلب روشن تھا لیکن خان جانتا تھا کہ ایسے بنگلوں کے برآمدوں کے بلب عام حالات میں روشن ہی رکھے جاتے ہیں۔

چند منٹ تک بنگلے کے سامنے والے چھوٹے سے باغیچے میں چھپا وہ صورتحال کا جائزہ لیتا رہا۔ اُس کے ذہن میں رہ رہ کر مسٹر ڈ ملا کا یہ فقرہ گونج رہا تھا "کہ جتنی جلدی ممکن ہو اس کا صفایا کر دیا جائے"۔ اُس شخص کا صبح تک زندہ رہنا بھی اُسے منظور نہیں تھا۔

گو کہ یہ بات اُس کی ٹریننگ کے اصولوں کے خلاف تھی لیکن اُس نے بجائے یہاں رُک کر وقت ضائع کرنے کے کُچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بارہ بجنے کو آ رہے تھے اور ادھ گھنٹے بعد فلم کا شو ختم ہو جاتا۔ اپنی جگہ سے وہ اُٹھا اور ایک لمبا چکر کاٹ کر بنگلے کی پُشت پر پہنچ گیا۔ بنگلے کی پچھلی دیوار کے پاس رُک کر اُس نے پستول کو جیکٹ کی جیب میں ٹھونسا۔ اپنے چہرے کو ایک بڑے رومال کی مدد سے اچھی طرح ڈھانپا اور اطراف کا جائزہ لینے لگا۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

ہر طرف سکوت طاری تھا ـــــ!

پانی کے پائپ کے ذریعے اُس نے بنگلے کی چھت پر پہنچنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اب اُسی طرف بڑھ رہا تھا۔ پائپ پر دونوں ہاتھ جما کر اُس نے ایک نظر اُوپر دوڑائی۔

اُس کی خوش قسمتی کہ بنگلہ جدید طرز کا اور ایک منزلہ ہی تھا۔ بمشکل تین چار منٹ بعد وہ چھت پر موجود تھا۔ چھت پر بیٹھ کر اُس نے پہلے تو اپنے دِل کی دھڑکن کو نارمل کیا پھر جیب میں موجود پستول کو تھپتھپا کر اُن سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا جو نیچے اُتر رہی تھیں۔

اگلے ہی لمحے وہ سیڑھیوں پر سانپ کی طرح رینگتا ہوا نیچے اُتر رہا تھا۔ سیڑھیوں کا خاتمہ نیچے برآمدے میں ہُوا۔ اُس کے سامنے تین کمرے تھے جن میں سے صرف ایک میں معمولی روشنی تھی۔ برآمدے کے بالکل سامنے مین گیٹ کے ساتھ ملحق ایک چھوٹا سا کمرہ یہاں کسی محافظ کی موجودگی کی چُغلی کھا رہا تھا۔ اُس نے پہلے اِس سے نمٹنا مناسب سمجھا اور اُس کی طرف بڑھنے لگا۔

باغ کی روش کے ساتھ ساتھ چلتا وہ اِس پوسٹ تک پہنچ گیا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن کسی کی موجودگی کا احساس اُسے بہرحال تھا۔ شاید اندر موجود شخص نے سردی کی شدّت کی وجہ سے دروازہ بند کر رکھا تھا حالانکہ اُسے اصولاً گیٹ پر موجود ہونا چاہیئے تھا۔

اُس نے کچھ سوچ کر آہستہ سے دروازے پر دستک دی اور خود ریوالور تھام کر دروازے کے ایک طرف دیوار سے پُشت لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے دستک دینے پر اندر موجود شخص اُس کے اندازے کے عین مطابق بوکھلاہٹ کا شکار ہو کر ہی نِکلا تھا۔ جیسے ہی اُس نے پہلا پاؤں باہر نکالا خان کا ہاتھ چلا اور ریوالور کا زوردار دستہ اُس کے سر پر لگا۔ اِس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑا کر زمین بوس ہو، خان نے بڑی پھرتی سے اُسے اپنے مضبوط بازو پر تھام لیا۔ اندر داخل ہو کر اُس نے بے ہوش شکار کو چارپائی پر پھینکا اور چارپائی ہی کی رسّی سے اُس کی مُشکیں کس دیں۔ اپنی جیب میں رکھے ٹیپ رول کی مدد سے خان نے

اُس کا مُنہ اِس طرح بند کر دیا تھا کہ اُس کے لیے چلّانا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ اِس طرف سے نمٹ کر اُس نے دروازہ اُسی طرح بند کر دیا اور برآمدے کی طرف بڑھنے لگا۔

○

چند سیکنڈ میں وہ برآمدے کے اُس کمرے تک پہنچ چُکا تھا جس میں روشنی ہو رہی تھی۔ اُس کا دِل گواہی دے رہا تھا کہ یہاں اور کوئی محافظ موجود نہیں ہے۔ دیوار کے ساتھ ساتھ سرکتا ہُوا وہ کمرے کے دروازے کے بالکل ساتھ لگ کر کھڑا تھا، یہ دیکھنے کے لیے کہ دروازہ کُھلا ہے یا بند۔ اُس نے آہستہ سے ہینڈل گھمایا تو ہینڈل پورا گھوم گیا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ دروازہ کُھلا ہے۔ شاید اندر موجود غدّار کرنل نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ اَب بالکل محفوظ ہے۔

اپنے دائیں ہاتھ میں ریوالور تھامتے ہُوئے اُس نے ہینڈل کھول کر دروازے کو جھٹکے سے کھولا۔ سامنے ایک آرام دہ کُرسی کے نزدیک رکھی میز پر ایک ٹھنگنے سے غدّار کا دوہرے وجود کا آدمی کاغذ اور قلم رکھے کچھ سوچ رہا تھا۔ خان کو اچانک دیکھ کر وہ حواس باختہ ہو گیا۔

"ہینڈز اَپ" ـــــ عابد خان نے سسکاری لی اور کرنل نہ صرف خود اُٹھ کر کھڑا ہو گیا بلکہ اُس کے دونوں ہاتھ بھی کسی میکانکی عمل کے تحت اُٹھتے چلے گئے۔ خان نے ایک قدم آگے بڑھ کر وہ کاغذات اُٹھا لیے اور اُن پر ایک نظر ڈالتے ہُوئے دوبارہ وہاں پھینک دیئے۔ کرنل اپنی یادداشت کے سہارے پاکستان انٹیلی جنس سے متعلق معلومات ان کاغذات پر اپنے نئے مالکوں کے لیے مُنتقل کر رہا تھا اور ایک فائل الگ سے اُس کے سامنے دھری تھی۔

"غدّار، بے غیرت، لعنت ہے تمہارے مسلمان ہونے پر۔ تم اپنے مسلمان بھائیوں کو ان ہندوؤں کے ہاتھ فروخت کر رہے تھے۔"

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"مم مم میں مجبور ہوں ـــــ" وہ گھگھیایا ـــــ "میں اُن لوگوں کے جال میں پھنس چکا ہوں۔"

"اَب تک اُنہیں کیا کچھ بتا چکے ہو ـــــ؟" خان دھاڑا۔

"کک کک کچھ بھی نہیں۔ یہی کچھ لکھ کر دینا تھا۔"

"تم تو یہی سمجھتے ہو گے کہ پاکستان چھوٹا سا ملک ہے بھارت کے مقابلے میں اور تم جیسے غداروں کا تعاون بھی دشمن کو حاصل ہے، اس لیے ہم ختم ہو جائیں گے ـــــ" خان کے لیے اپنی نفرت اور غصے پر قابو پانا ناممکن ہو رہا تھا۔

کرنل جواب میں خاموش رہا ـــــ!! خوف سے اُس کی گھگی بندھ گئی تھی۔ موت کے سائے ابھی سے اُس کی آنکھوں میں لہرانے لگے تھے۔

ضمیر فروش انسان تُو یہ کیوں بھول گیا کہ خدا اپنے باغیوں پر یہ زمین تنگ کر دیتا ہے۔ میں پاکستان انٹیلی جنس کی طرف سے تیرے لیے خدا کا عذاب بن کر آیا ہوں۔ تُو بدنصیب ہے تو ـــــ ساری زندگی تُو نے پاکستان کی خدمت کی اور جب مرنے کا وقت آیا ہے تو تیرا شمار کافروں کے ساتھیوں میں ہونے والا ہے۔ کاش تیری یہ حالت دیکھنے کے لیے تیرا کوئی اپنا مالک یہاں موجود ہوتا۔"

"کک کک کیا مطلب ـــــ دیکھو تم مجھے مار نہیں سکتے۔" موت کے ذکر نے اُسے بوکھلا دیا تھا۔

"بے وقوف انسان کسی کو مارنا یا زندہ رکھنا خدا کے اختیار میں ہے۔ میں اگر تیرے گڑھ میں داخل ہو کر تم تک پہنچ سکتا ہوں تو تمہیں سزا کیوں نہیں دے سکتا؟" خان نے کہا اور اُس کے ساتھ ہی اُسے وقت گزرنے کا احساس ہوا۔

"اپنا مُنہ دیوار کی طرف کر لو ـــــ" اُس نے کرنل کو حکم دیا۔

"مم مم مجھے معاف کر دو ـــــ خدا....."

"خبردار اگر ناپاک زبان سے خدا کا نام نکالا" ـــــ خان نے تڑپ کر کہا۔ "تم خدا کے دھتکارے ہوئے انسان ہو۔ تم نے کفرانِ نعمت کیا ہے ـــــ اپنے مسلمان بھائیوں کو دھوکا دیا ہے۔ اُن کو جو اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر تمہیں پال رہے تھے۔ تم نے ایک لمحے کے لیے بھی نہ سوچا اور دشمن کی چال میں آ کر اُنہی کو ختم کرنے پر تُل گئے۔"

"مجھے احساس ہے.....!"

"شٹ اَپ ـــــ مُنہ دیوار کی طرف کرو!" اُس کے لہجے میں نجانے کیا قہر چھپا تھا کہ کرنل گھبرا کر دوسری جانب گھوم گیا۔

خان پھرتی سے ایک قدم آگے بڑھا اور اُس کا بایاں ہاتھ ایک خاص پوزیشن بناتا ہوا کرنل کی گردن پر ایک مخصوص جگہ ٹکرایا۔ مُنہ سے کوئی آواز نکالے بغیر دوہرے بدن کا غدار بنگالی چپ چاپ زمین بوس ہو گیا ـــــ امکانات میں شامل وہ بات کہ اُس کی موت زیادہ سے زیادہ نیچرل نظر آئے، جانے اُس کے لاشعور کے کس گوشے میں دفن ہو چکی تھی۔

چودہ سو سال کے شہدا باری باری اُس کی نظروں کے سامنے سے گزر رہے تھے اُس کا ذہن اپنے ٹریننگ کلاس روم میں پہنچ چکا تھا۔ یورپ، افریقہ، بلادِ عرب اور ہندوستان کہاں کہاں ان غداروں نے شہدا کی اُن قربانیوں پر پانی نہیں پھیرا تھا؛ اُسے یاد آ گیا کہ سراج الدولہ کو انہی سانپوں نے ڈسا تھا، شیرِ میسور انہی ننگِ ملت وطن فروشوں کی بدبختیوں کا شکار ہوا تھا ـــــ اُس کا دل پکار رہا تھا: "اُس کے اسلاف کی قربانیاں ضائع کرنے والے یہی غدار ہیں۔"

یہ کرنل پاکستان کا نہیں تاریخ کا مجرم تھا ـــــ!

اُس نے سوچا اس کی موت ایسی ہو کہ دوسرے نصیحت اختیار کریں اور اس کے ورغلانے والوں کو بھی علم ہو جائے کہ اَب مسلمان ان ننگِ ملت غداروں کو سزا بھی

Scanned by aazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

دے سکتے ہیں" نہیں کرنل۔ میں اتنی بے بس۔ سے اپنے پورے پاکستان کو مرنے نہیں دوں گا"۔۔۔ وہ بڑبڑایا اور اُس نے تمام کاغذات اکٹھے کر کے سامنے والی کھڑکی کے ساتھ لٹکتے پردے کے نیچے ڈھیر لگا دیئے۔ فائل الگ کرنا وہ نہیں بھولا تھا جو اُس کے جسم کا حصّہ بن چکی تھی۔ پھر کرنل ہی کے سگریٹ لائیٹر سے اُس نے ان کاغذات کو آگ لگا دی۔

جب تک پردوں نے آگ نہ پکڑی وہ وہیں کھڑا رہا۔ میز پر رکھی کمرے کی چابی اُس نے اُٹھا لی تھی۔ اب اُس نے میز کو آگ کے شعلوں کے نزدیک کر دیا تھا۔ آبنوسی لکڑی کی میز نے فوراً آگ پکڑ لی۔ پھر وہ کمرے میں موجود تمام فرنیچر کو دیوانہ وار آگ میں جھونکتا چلا گیا۔ دھوئیں سے کمرہ بھرنے لگا تھا۔ جب وہ باہر نکل آیا۔ اُس نے کمرے کو باہر سے لاک کر دیا تھا۔

اور اب وہ اُسی راستے سے واپس جا رہا تھا جس سے یہاں اندر داخل ہوا تھا۔

○

واپسی کا سفر اُس نے دیوانہ وار بھاگتے ہوئے طے کیا تھا۔۔۔ سینما کے باہر ہی رُک کر اُس نے ایک پان سگریٹ کی دُکان سے پان خریدا اور مُنہ میں ڈال کر چبانے لگا۔ سینما ہال کے دروازے اب کھُلنے لگے تھے۔ آخری شو ختم ہو گیا تھا۔ اُس نے کچھ لوگوں کے باہر نکلنے کا انتظار کیا۔ جب سائیکل سٹینڈ پر خاصا جمگھٹا لگ گیا تو اُس نے بھی اپنی موٹر سائیکل باہر نکالی اور گھر کی طرف چل دیا۔

گھر واپس جاتے ہوئے اُس نے جان بوجھ کر وہی راستہ اختیار کیا تھا جو اُس ماڈرن کالونی سے گزر کر جاتا تھا۔ بنگلے کے باہر لوگ اکٹھے ہو کر شور مچا رہے تھے اور شعلے آسمان کو چھونے لگے تھے۔ سارا بنگلہ آگ کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔

ایک پھیکی سی مسکراہٹ خود بخود اُس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ اُسے بالکل ایسا ہی احساس ہُوا تھا جیسا کسی مزدور کو دن بھر کی مزدوری کے بعد ملنے والا انعام حاصل

کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ کچھ اور موٹر سائیکل سوار بھی وہاں رک رک کر آگ کا نظارہ کرنے لگے تھے۔ چند لمحوں کے لیے وہ بھی وہاں ٹھہر گیا۔

دُور سے فائر بریگیڈ کی گھنٹیوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی پولیس کی جیپوں کے مخصوص ہارن سنائی دے رہے تھے۔ اُس نے اب وہاں سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔ باقی لوگ بھی کسی ممکنہ گواہی کے خوف سے وہاں سے کھسکنا شروع ہو گئے تھے۔

پان چباتا ہوا وہ اپنے گھر کی طرف اُڑا چلا جا رہا تھا۔ سردی خاصی زیادہ تھی لیکن اُسے کچھ زیادہ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ گھر کے باہر اُس نے موٹر سائیکل بند کر دی۔ باہر کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ خان نے گھنٹی بجانے کے بجائے اُسے خود کھولنا زیادہ مناسب جانا۔۔۔

دروازے کو پھلانگ کر وہ اندر داخل ہو گیا۔ اُس نے کُنڈی بغیر آواز پیدا کیے کھولی۔۔۔ موٹر سائیکل اندر دھکیلی، اور پھر دوبارہ کُنڈی لگا دی۔ گھر کے قریباً سبھی لوگ اُس کا انتظار کرنے کے بعد سو گئے تھے۔ خان نے کسی کو جگانے کے بجائے موٹر سائیکل اندر کھڑی کر دی اور اپنے کمرے تک بھی بغیر آہٹ پیدا کیے چلا آیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ اپنی چارپائی پر لمبی تان کر سو رہا تھا۔

○

صبح وہ حسبِ معمول بیدار ہوا تھا۔ اُس نے بروقت غُسل کیا اور گھر والوں کے ساتھ پاٹھ میں بھی شرکت کی۔ ہندو گھرانوں کی روایت کے مطابق سب لوگ مل کر پاٹھ کر رہے تھے۔ وہ بھی کبھی کبھی اس میں شریک ہو جایا کرتا تھا۔

پاٹھ سے فراغت پر وہ معمول کے مطابق اخبار کا مطالعہ کرنے لگا: اخبار کے پہلے ہی صفحے پر دہلی کی اُس ماڈرن کالونی کے ایک بنگلے میں پُراسرار آگ لگنے کا واقعہ

Scanned by aazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

بڑے سنسنی خیز انداز میں رپورٹ کیا گیا تھا یہ بھی بتایا گیا تھا کہ وہاں سے ایک جلی ہوئی لاش بھی برآمد ہوئی ہے اور بنگلے کا بے ہوش چوکیدار بھی جو زخمی تھا۔

اخبار نے اِس واردات کے متعلق اپنے اندازے قائم کیے تھے اور اس کے پیچھے کسی گہری سازش کا رونا بھی رویا تھا ـــــ مسکراتے ہوئے اُس نے اخبار وہیں رکھ دیا اور ناشتے کی میز پر آگیا۔

آج بلاقی رام نے اُن کے ہاں دعوت پر آنا تھا۔ سہائے نے ناشتے کی میز پر ہی اُس کی آمد اور پروگرام سے متعلق مشورے شروع کر دیئے تھے۔ رَما نے کالج سے ـــــ چھٹی کر لی تھی کیونکہ گھر میں کام بہت تھا۔ کشور اور آشا نے اس سلسلے میں کسی بھی بوریت کا سامنا کرنے سے کالج چلے جانا بہتر سمجھا تھا۔

دوپہر تک بلاقی رام اور اُس کے گھر والوں کی آمد تک سب ہی لوگ کام میں جُتے رہے۔ بلاقی رام دوپہر سے کچھ دیر پہلے اپنے پریوار سمیت ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر وہاں آگیا تھا۔ اُس نے سویلین کپڑے پہن رکھے تھے اور اپنے سات بچّوں کو ساتھ لے کر آیا تھا۔ صوبیدار بلاقی رام کی پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے تھے۔ تین لڑکیاں بڑی تھیں اور دو چھوٹی۔ تینوں نے میک اَپ میں ایک دوسرے کو مات دی ہوئی تھی اور بالکل ایک دوسری کی ہم عمر دکھائی دیتی تھیں۔ اُنہیں جب بھی موقع ملتا، خان سے کوئی نہ کوئی بات ضرور کہہ دیتیں۔ رَما نے یہ بات خاص طور سے محسوس کی تھی کہ تینوں ہی خان پر لٹو ہو گئی تھیں وہ اِن تینوں لڑکیوں اور خان کی بوکھلاہٹ سے بیک وقت لُطف اندوز ہو رہی تھی۔

بلاقی رام کے بچّوں نے وہ اُدھم مچائی تھی کہ خدا کی پناہ۔ کشور اور آشا بھی کالج سے واپس آچکے تھے اور دونوں خاصے زچ دکھائی دے رہے تھے۔ کشور تو بطورِ احتجاج گھر سے باہر ہی چلا گیا تھا۔

خان کے لیے سب سے بڑا مسئلہ بلاقی رام کی لڑکیوں سے جان چھڑانا تھا جو اس کے گلے کا ہار بن رہی تھیں ـــــ وہ دل ہی دل میں خدا سے دُعا مانگ رہا تھا کہ اس کی روانگی کا کوئی بہانہ بن جائے۔ رَما سے اُس نے متعدد مرتبہ اس مُصیبت سے چھٹکارے کی درخواست کی تھی لیکن وہ سوائے ہنسنے کے اور کچھ نہ کر سکی۔

بلاقی رام کی زبان مسلسل چل رہی تھی اور وہ بے تحاشہ کھاتے کھاتے اپنی بہادری کے جعلی واقعات بھی سُنا رہا تھا۔ پھر موضوعِ گفتگو پاکستانی جاسوس بن گئے۔ مکتی باہنی بھی پاکستانی کمانڈوز اور جاسوس ہر بھارتی کے حواس پر سوار کر دیئے تھے اور خان نے اندازہ لگایا تھا کہ زندگی کا شاید ہی کوئی شعبہ ان کے ذکر سے محفوظ رہا ہو۔

بلاقی رام بڑے فخر سے مونچھوں کو تاؤ دیتا ہُوا اُن لوگوں کو بتا رہا تھا کہ کس طرح بھارتی فوج بنگالی غداروں اور مقامی بدمعاشوں اور فوجیوں پر مشتمل ایک فوج "مکتی باہنی" کے نام سے تیار کر رہی ہے جو مشرقی پاکستان میں سرگرمِ عمل ہے۔ اس نے بتایا کہ جلد ہی ان لوگوں کی کارروائیاں دُنیا کے سامنے آنے لگیں گی اور یہ سب مل کر "بنگلہ دیش" بنا ڈالیں گے۔

پاکستانی کمانڈوز کے ذکر کے بعد وہ اپنی بے ایمانی کے کارنامے سنانے ہی لگا تھا لیکن اِن لمحات میں جب بوریت سے خان کا سر دُکھنے لگا تھا۔ رَما نے اُسے رجنی کے آنے کی اطلاع دی اور وہ خدا کا شکر گزار اُٹھ کر فون والے کمرے میں آگیا۔ رجنی نے اُسے اطلاع دی تھی کہ پانچ بجے اُسے چھٹی ملے گی۔ خان اُسے آکر لے جائے۔ وہ اب اُس کو ہر بات بتانا اپنا فرض خیال کرنے لگی تھی۔

چار بج رہے تھے جب خان نے بلاقی رام اور اُس کے پریوار سے ضروری کام کا بہانہ کر کے معذرت کر دی۔ روانگی سے پہلے اُس نے مسٹر سہائے کو ایک طرف لے جا کر

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

ہدایت کی تھی کہ وہ بچّوں کی مٹھائی کے بہانے روانگی کے وقت سو روپیہ دے دیں۔ اب میں ایسا بچّہ بھی نہیں ہوں کہ یہ بات نہ سمجھ سکوں۔" انہوں نے خان سے کہا اور ہنس دیئے

رجنی کے دفتر کے اندر جانا آج نجانے کیوں اُس نے مناسب نہ سمجھا اور مین گیٹ ہی سے اُسے فون پر اپنی آمد کی اطلاع کر دی۔ وہ یہاں تک رکشہ پر آیا تھا اور اب اُس نے رکشہ والے کو رخصت کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اُسے رجنی اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ خان جان بوجھ کر دروازے سے کچھ دُور جا کر کھڑا ہو گیا۔

"غضب ہو گیا بھیّا" ـــــ رجنی نے اُس کی شکل پر نظر پڑتے ہی دُہائی دی۔

"ٹھہرو ٹھہرو" ـــــ اُس نے رجنی کے مُنہ کے سامنے ہاتھ کرتے ہوئے کہا ـــ "اگر کوئی بڑی خبر ہے تو مجھے نہ سُنانا۔ مَیں پہلے ہی بہت بور ہو چکا ہوں۔ آج وہ کمبخت صوبے دار اپنے پورے پریوار سمیت دعوت پر آیا ہوا تھا۔"

"اوہو! بھیّا" ـــــ رجنی نے شکایت بھرے لہجے میں کہا ـــــ "ایک تو تم بات ٹمپو ہی توڑ دیتے ہو۔ معلوم ہے مَیں کیا بتانے والی تھی۔"

"معلوم ہے؟"

"کیا؟"

"اسے یہی کہو گی کہ کوئی بنگالی جنرل بھاگ کر آیا ہے یا کسی پاکستانی جاسوس نے کوئی ریلوے لائین اُڑا دی ہے۔ ایک تو تمہارے سر پہ یہ ہر وقت جو لوکری سوار رہتی ہے۔ اِس سے مَیں بڑا تنگ آ گیا ہوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں" ـــــ رجنی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا ـــ "وہ جو مَیں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ وہ ایک بنگالی کرنل بھاگ کر آ گیا ہے ـــ اُسے پاکستانی انٹیلی جنس نے یہاں قتل کروا دیا ہے۔"

"ہیں" ـــــ اِس مرتبہ خان نے واقعی بوکھلا جانے والی ایکٹنگ کی تھی۔ "لیکن اتنی بڑی خبر اخبار میں تو چھپی نہیں۔"

"چھپی ہے ـــــ اور آپ نے پڑھی بھی ہے" ـــــ رجنی نے کہا۔

"کمال ہے بھئی نہ تو میرا حافظہ اتنا کمزور ہوا ہے اور نہ ہی میری نظر۔"

"بات یہ ہے بھیّا کہ ایسی خبریں بظاہر کسی کو نظر نہیں آتیں۔ تم نے آج اخبار میں ماڈرن کالونی کے ایک بنگلے میں آگ لگنے کی خبر تو پڑھی ہے نا؟"

"ہاں! ہاں!! وہ تو پڑھی ہے۔"

"اسی میں تو جل کر مرا ہے یہ کرنل" ـــــ رجنی نے بڑے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

جواب میں خان نے بڑا زوردار قہقہہ لگایا ـــــ "ایک تو تم لوگ ہر بات میں بات نکال لیتے ہو ـــــ یہ بال کی کھال نکالنے والی عادت کچھ اچھی نہیں۔ بنگلے میں کسی وجہ سے آگ لگ گئی اور تم نے سمجھ لیا کہ اُسے قتل کیا گیا ہے۔" خان نے بڑے غیر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"بھیّا ایک تو تمہاری یہ عادت مجھے بہت بُری لگتی ہے۔ میری ہر بات پر تنقید شروع کر دیتے ہو۔"

"اوہ سوری" ـــــ خان نے یکدم سنجیدہ ہونے کی اداکاری کر کے رجنی کو بوکھلا ہی تو دیا تھا۔ "دیکھو رجنی کیا ہُوا جو ہمارا کوئی خون کا رشتہ نہیں، لیکن کبھی کبھی میرا من کہتا ہے ضرور کسی پچھلے جنم میں ہم بہن بھائی بچھڑ گئے ہیں۔ مَیں تمہیں دُکھی کرنے کا تو کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا ـــــ میری کسی بات کا بُرا مت مانا کرو ـــــ یہ میرا سٹائل ہے۔"

رجنی نے بیقرار ہو کر اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ "ارے نہیں بھیّا! اگر مَیں کبھی بے تکلفی پر اتر آؤں تو تم سیریس نہ ہو جایا کرو۔ یہ تو مَیں یونہی کہہ دیتی ہوں ـــــ اگر تم سے

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

نہ کہوں تو کس سے کہوں ؟"

"اچھا چلو کچھ پیتے ہیں"۔۔۔ خان نے ایک سنیک بار نزدیک آنے پر کہا۔

"اے ۔۔۔" رجنی نے بظاہر اُس کا موڈ نارمل کرنے کے لیے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے لوفروں کے سے انداز میں سیٹی بجائی۔۔۔ "بیا ناراض کاہے کو ہوتا ہے آدُناں"۔۔۔ اُس نے اپنا لہجہ بگاڑ کر کہا اور خان کے بازو میں بازو ڈال کر سنیک بار کی طرف چلنے لگی۔ یہ سب کچھ اُس نے اتنی بے تکلفی سے کیا کہ وہاں سے گزرنے والے راہگیر دونوں کی طرف بڑی عجیب نظروں سے دیکھنے لگے۔

"کچھ خیال کرو ان لوگوں کا"۔۔۔ خان نے اُسے ٹہوکا دیا۔

"جلتے ہیں سالے ۔۔۔ جلنے دو ناں"۔۔۔ رجنی نے بڑے فلمی انداز میں کہا اور اُسی پوزیشن میں سنیک بار کے دروازے تک چلی آئی۔

دونوں ایک خالی میز پر جم گئے۔ ایک مودب بیرا اُن کے نزدیک آن کر کھڑا ہو گیا۔

"میرے لیے کافی ۔۔۔ اور صاحب جو پسند فرمائیں" اُس نے بیرے سے کہا۔

"میرے لیے بھی کافی"۔۔۔ خان نے بیرے سے کہا اور خاموشی سے رجنی کی طرف دیکھنے لگا۔ جس کی آنکھوں میں ابھی تک شرارت ناچ رہی تھی۔

"بھیا ایک بات بتاؤ گے ؟"

"جی"

"تم واقعی میری بات کا غصہ کرتے ہو۔۔۔؟"

"سچ کہہ دوں"

"ہاں"

"نہیں ۔۔۔ دیکھو رجنی آئندہ مجھ سے یہ سوال بھی کبھی نہ کرنا۔ میں تمہارے

متعلق کیا سوچتا ہوں۔ تمہارے لیے کیا کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بھگوان ہی جان سکتا ہے"

"میں جانتی ہوں۔ میرا من کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ کوئی طاقت مجھے تمہارے ملنے کے بعد سے احساس دلانے لگی ہے جیسے میری کوئی بہت بڑی کمی پوری ہو گئی ہو"

خان چپ رہا۔

"خیر یہ بات تو پوری سننا ہی پڑے گی" رجنی نے پھر اُسے چھیڑا۔

"اچھا بیا سنا دو لیکن اس ہوٹل سے باہر نہیں"

"بھیا ہماری اطلاع کے مطابق پہلے کرنل کی گردن کی ہڈی توڑی گئی اور دروازے پر موجود گارڈ بھی زخمی تھا۔ کسی نے اُس پر اچانک ہی حملہ کیا تھا۔۔۔ اُس کے بعد اُسے ہوش نہیں رہا۔ وہ بے ہوشی کی حالت میں ہی ملا تھا"

"بھئی اس کا مطلب تو یہی ہے کہ یہ لوگ بہت تیز ہیں" خان نے یہ بات بالکل اسی طرح کہہ دی تھی جیسے اُس کی گفتگو بہت سنجیدگی سے سن رہا ہو۔

"یہی تو میں کہتی ہوں کہ ہمیں اپنے دشمن کو کمزور نہیں جاننا چاہیئے، لیکن میرا باس نہیں سنتا۔ گدھا کہیں کا۔ کسی روز دیکھ لینا یہ لوگ ہمارا ہیڈ کوارٹر بھی آکر اُڑا جائیں گے"

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے کہ تم انہیں اپنے ذہن پر ہی سوار کر لو۔ اگر تمہارے افسر نالائق ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پاکستانی بہت بہادر لوگ ہیں۔ بھئی ایسا تو ہوتا ہی ہے" اُس نے رجنی سے کہا۔

دونوں بہن بھائی اب باہر نکل آئے تھے۔ خان اُسے زبردستی ایک نزدیکی مارکیٹ میں لے گیا تھا۔ اُس نے رجنی کو "نہ نہ" کرنے کے باوجود دو تین ساڑھیاں خرید کر دی تھیں اور موسی جی کے لیے الگ سے ساڑھی لینا بھی نہیں بھولا تھا۔ دونوں مارکیٹ کے باہر کسی رکشہ کے انتظار میں کھڑے تھے جب اُن کی پشت پر کسی نے رجنی کو "رجنی جی"

Scanned by aazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

کہہ کر پکارا۔ خان رجنی کے ساتھ ہی چونکا اور ایکدم پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ اُس کے سامنے کھلتے ہوئے رنگ کا ایک نوجوان جس کی شکل سے ذہانت اور شرافت ٹپک رہی تھی بڑا مودب کھڑا تھا۔

"ہیلو احمد کیسے ہو؟" ——

"جی ٹھیک ہوں" —— اُس نے خان کی طرف کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ میرے بھیّا ہیں ارون کمار، اور آپ ہیں احمد کمال بیگ میرے کالج کے ساتھی ہیں" رجنی نے دونوں کا تعارف کرایا۔

رجنی بہت بیباک لڑکی تھی "را" کی تربیت نے گو کہ اُسے بے حیا بنانے کی بھی مقدور بھر کوشش کی تھی لیکن ابھی تک اُس کی گھٹی میں موجود نسوانیت اور شرافت کا مکمل جنازہ نہیں نکلا تھا۔ وہ بہت زیادہ "بے تکلف" اور "بے جھجک" ضرور ہو گئی تھی لیکن اُس میں ابھی تک مشرقی عورت کی روایتی شرم و حیا باقی تھی۔ خان نے محسوس کیا تھا کہ احمد کمال بیگ سے اُس کا تعارف کرواتے وقت رجنی بالکل ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اُس کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔

"آیئے ایک کپ چائے پی لیں" —— خان نے اُسے تعارف اور ایک دوسرے کی خیر و عافیت پوچھنے کے بعد دعوت دی۔

"جی" —— وہ کچھ جھجک محسوس کر رہا تھا۔ شاید رجنی کی بھی یہی حالت تھی ——

"پھر کبھی سہی"

"ارے پھر کیوں بھائی۔ آؤ بھی"

خان واپس اُسی سنیک بار کی طرف مڑ گیا۔ اُس نے جان بوجھ کر دونوں کو اپنے پیچھے آنے اور آپس میں گفتگو کرنے کا موقع دیا تھا۔ دوبارہ وہ اُسی میز پر آ کر بیٹھ گئے جس سے ابھی ابھی اُٹھ کر گئے تھے۔

"کیا کام کرتے ہیں آپ"؟ ——

"میں نے ایم۔ اے کیا ہے اور اب والد صاحب کا بزنس سنبھال رہا ہوں"

"کوئی نوکری کر لیتے" —— خان نے اُسے چھیڑا۔

"یہ نوکری نہیں کر سکتے۔ مُغل بادشاہوں کی اولاد ہیں نا" —— رجنی نے اپنی خفت مٹانے کے لیے ماحول کو ذرا خوشگوار بنانا چاہا۔

"آپ تو جانتے ہی ہیں کمار جی! نوکری اوّل تو ملتی نہیں۔ اگر مل بھی جائے تو اتنی تنخواہ میں گزارہ ہی نہیں۔ پھر میرے سوا ابا جان کا اور ہے بھی کون، اللہ کا شکر ہے اچھا بھلا بزنس ہے وہی سنبھال لوں گا" کمال بیگ نے جواب دیا۔

چائے پیتے ہوئے خان اُس سے زبردستی بے تکلف ہو گیا تھا اور وہاں سے اُٹھنے سے پہلے وہ اِن دونوں کے متعلق ایک اندازہ قائم کر چکا تھا وہ جان گیا تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں لیکن دونوں کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ ہے کہ جسے پاٹنا دونوں ہی کے لیے ممکن نہیں۔ بھارت میں متضاد مذاہب کے لڑکے لڑکیاں آپس میں شادیاں تو ضرور کر لیتے تھے لیکن اِس کی اُنہیں بہت زیادہ قیمت بھی ادا کرنی پڑتی تھی۔

یہاں تو معاملہ اور بھی سنگین تھا۔ رجنی نہ صرف ہندو لڑکی تھی بلکہ بھارت کی اعلیٰ ترین انٹیلی جنس "را" میں بھی زیرِ تربیت تھی اور اب اُس کے لیے اپنی مرضی سے زندہ رہنے کے مواقع بہت کم تھے۔ جس سادگی اور خلوص سے رجنی اُسے بھائی کے ناطے لوٹ کر چاہنے لگی تھی اِس کے بعد خان کے لیے اُسے اِس طرح بے سہارا چھوڑ دینا ممکن نہیں رہا تھا۔ اگرچہ یہ سب کچھ اُس کے بزنس کا حصّہ نہیں تھا، لیکن وہ دُنیا کی دوسری انٹیلی جنس ایجنسیوں کی طرح کوئی پیشہ ور جاسوس تو نہ تھا۔ وہ ایک نظریاتی مملکت کا اور مخصوص نظریات کا حامل مسلمان لڑکا تھا۔ جس

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

کے لیے انسانی معاملات سے بالکل کٹ کر صرف دوسرے کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہنا ممکن نہیں تھا۔ اِس مُلاقات نے اُسے خاصا بوجھل کر دیا تھا۔!!

احمد کمال بیگ دونوں کو ٹیکسی تک چھوڑنے آیا تھا۔ دونوں گھر پہنچنے تک خاموش رہے تھے۔ ٹیکسی خان نے جان بوجھ کر گھر سے کچھ دُور ہی چھوڑ دی تھی۔ رجنی بھی سمجھ گئی کہ وہ اُس سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ دونوں خاموش چند قدم چلتے رہے پھر رجنی رُک گئی۔

"ناراض ہیں آپ؟" اُس نے خان سے نظریں ملائے بغیر پُوچھا۔

"ہاں ـــــ لیکن ہاں اِس بات پر نہیں جو تم سمجھ رہی ہو، بلکہ اِس پر کہ تم نے مجھے بھی عام قسم کا متعصب ہندو جان لیا ـــــ" خان نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

"بھیّا" رجنی نے شدّتِ جذبات سے بے قابو ہو کر کہا۔ اُسے اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں رجنی! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں تمہارا بھائیوں جیسا دوست اور دوستوں جیسا بھائی ہوں۔ مجھ سے تمہیں کچھ نہیں چھپانا چاہیئے ـــــ محبت کرنے والے بہت بہادر ہوتے ہیں رجنی، اور محبت اِن تمام قباحتوں سے بہت ارفع و اعلیٰ قسم کا کوئی جذبہ ہے۔ یہ مذہب کی تمہید سے آزاد ہے رجنی ـــــ بالکل آزاد۔"

"بھیّا ـــــ" رجنی نے شدّتِ جذبات سے مغلوب ہو کر اپنا سر اُس کے سینے سے لگا دیا۔ خان نے محسوس کیا جیسے وہ رو رہی تھی۔

"حوصلہ کرو پگلی۔ میرے جیتے جی تمہیں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہونی چاہیئے۔ میں تمہارے لیے وہ سب کچھ کر گزروں گا جو میرے اختیار میں ہے۔" خان نے اُس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

خان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی موسی جی کی باچھیں کھِل گئیں۔ وہ حسبِ سابق

بے اختیار اُس کی بلائیں لینے کے لیے آگے بڑھی۔ خان وقتاً فوقتاً اُس کے لیے کچھ لے آتا تھا۔ تھوڑی دیر تک اپنی "موسی جی" کے پاس بیٹھ کر وہ واپس چلا آیا۔

○

گھر پہنچا تو بلاقی رام اپنی فیملی سمیت رُخصت ہو چکا تھا۔ خان نے خدا کا شکر ادا کیا۔ رات گئے تک آشا اور کشور، بلاقی رام کی بیٹیوں کا نام لے لے کر اُسے چھیڑتے رہے اور وہ اُن کے ساتھ ساتھ ہنستا رہا۔ بلاقی رام نے روانگی سے پہلے سہائے کی مہمان نوازی کا خصوصی شکریہ ادا کیا تھا اور سہائے کو اگلے بڑے آرڈر کی خوشخبری بھی سُنا دی تھی۔

کرنل ایکس کی موت کوئی معمولی سانحہ نہیں تھا ـــــ بھارتی انٹیلی جنس کے لیے! وہ لوگ ہل کر ہی تو رہ گئے تھے۔ خان نے پے در پے اُن پر بہت سی چوٹیں کر دی تھیں۔ اور اُنہیں اِس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ پاکستان کا کوئی بہت ہی ذہین ایجنٹ اُن میں آن گھُسا ہے۔ اِس بات کا احساس خان کو بھی بخوبی تھا اور اُس کے افسران کو بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن لوگوں نے خان کو فی الحال پردہ سکرین سے ہٹا لیا تھا۔

ـــــ اور اُس نے دو ماہ کا یہ صبر آزما عرصہ بڑی خاموشی سے گزارا۔ اِس دوران بس وہ معمول کی معلومات بلاقی رام اور رجنی کے ذریعے حاصل کرتا رہا۔

اِن دو مہینوں میں اُس نے ایک کام ضرور کیا تھا کہ رجنی اور احمد کمال بیگ دونوں کو اس بات کا یقین دلا دیا تھا "کہ دُنیا کی کوئی طاقت اگر اُن کا جذبہ سچا ہے تو اُنہیں آپس میں جُدا نہیں کر سکتی" ـــــ اور اس کام میں اُس کی سب سے زیادہ مدد کی تھی رَما نے ـــــ خان پہلے تو رَما سے یہ بات کرتے ہوئے بھی جھجکتا تھا، لیکن ایک روز اُس نے پہلے تو بین السطور میں بات کر کے اُس کی رائے معلوم کی پھر رَما کو اصلیت بتا ہی دی۔ وہ حیران ہی تو رہ گیا جب رَما نے بڑی گرمجوشی سے اُن دونوں

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

کے لیے نیک جذبات کا اظہار کیا۔

"اُس موٹی نے آج تک مجھے بھی اس بات کی ہوا نہیں لگنے دی۔ کوئی بات نہیں، پوچھ لوں گی اُس سے" ـــــ اُس نے گلہ کیا تھا۔

احمد کمال بیگ کا والد اس حد تک تیار تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے لیے یہاں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھارت کے کسی بھی دوسرے صوبے میں بسنے کے لیے تیار تھا ـــــ اُس نے اُن لوگوں کو یہاں تک کہہ دیا: کہ اگر ضرورت پیش آئی تو وہ دونوں کو ملک سے باہر بھیج دے گا۔" اَب مرحلہ باقی رہ گیا تھا۔ رجنی کی ماں سے بات کرنے کا اور ـــــ اس کے لیے خان کسی اچھے موقعے کی تلاش میں تھا۔

○

حالات ہر روز نیا رُخ اختیار کر رہے تھے۔

رجنی کو سب انسپکٹر کا عہدہ مِل چکا تھا لیکن اُس کی خدمات ہیڈ کوارٹر ہی کے لیے مختص رہیں۔

مشرقی پاکستان اور مغربی سرحد سے بھاگ کر آنے والے غداروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور "را" نے ان لوگوں کو سُدھا کر مشرقی پاکستان میں داخل کرنے کی باقاعدہ منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ اس سلسلے میں ایک خاص سیل بنایا گیا تھا جس میں رجنی بھی شامل تھی۔ بنیادی طور پر تو اُس کے فرائض میں ان بنگالیوں کا دِل لبھانا اور اُن کے دِل و دماغ کو ماؤف کر کے اُن میں پاکستان کے خلاف نفرت کا زہر گھولنا تھا لیکن رجنی اپنی نوکری سے کبھی انصاف نہ کر سکی۔

احمد کمال بیگ سے منسوب ہو جانے کے بعد وہ ذہنی طور پر خود کو مسلمان سمجھنے لگ گئی تھی اور جانتی تھی: "کہ جلد یا بدیر ایک تو اُس کا مذہب بدل جائے گا اور دوسرے اُسے اس لعنتی نوکری سے بھی چھٹکارا مِل جائے گا۔"

اُس کا دِل کئی بار چاہا کہ اِس گھٹن سے جلد ہی نجات حاصل کر لے اور یہاں سے چھٹکارے کی کوئی صورت نکالے لیکن خان نے ابھی اُسے کوئی بھی جذباتی قدم اٹھانے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔

وہ کوئی سیاسی لیڈر تو نہیں تھا کہ حالات پر اُس کی نظر بہت گہری ہوتی لیکن ایک بات وہ بہرحال جانتا تھا: کہ ان حالات میں جب سارا بھارت مسلم دشمنی کی آگ میں جُھلس رہا ہے "را" کی ایک سب انسپکٹر کا کسی مسلمان سے شادی کرنا دونوں کو زندہ درگور کر دے گا:

"جیسے ہی اخبارات کے ہاتھ یہ خبر لگے گی وہ اسے اُچھالیں گے اور سارے بھارت میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دی جائیں گی۔ اس سوسائٹی میں گو کریہ کوئی اچنبھے کی بات نہ ہوتی اور حکومت بھی اپنے دعویٰ سیکولرازم کے تحت بظاہر اُن کی حوصلہ افزائی کرتی ـــــ لیکن دونوں کا انجام ـــــ؟"

وہ یہ سوچ کر ہی تھرّا کر رہ جاتا ـــــ!!

○

بھارت میں آئے اُسے قریباً ایک سال ہو گیا تھا۔ وہ دسمبر ۷۰ء میں یہاں آیا تھا اور اب نومبر ۷۱ء آ چکا تھا۔ سردیوں میں وہ یہاں آیا تھا اور گرمیوں کے بعد اب پھر سردی زور پکڑنے لگی تھی۔ اس دوران اُس نے بیسیوں انفرادی اور اجتماعی کارنامے سرانجام دیے تھے۔ پل پل کی خبر اپنے مُلک کو پہنچائی تھی۔

مشرقی پاکستان میں مُکتی باہنی کو بھارتی فوج کی مکمل سرپرستی حاصل تھی اور اُن لوگوں نے عملاً مشرقی پاکستان میں سوائے کنٹونمنٹ ایریا اور بڑے بڑے شہروں کے اپنی بادشاہی قائم کر لی تھی۔ خان کو مکمل طور پر "را" سے نتھی کر دیا تھا۔ اُسے مشرقی پاکستان میں دُشمن کے اختیار کرنے والے ہتھکنڈوں سے اپنے مُلک کو وقت سے پہلے آگاہ

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

کرنے کے فرائض سونپے گئے تھے۔ بھارتی اور بین الاقوامی اخبارات پڑھ پڑھ کر اُسی کا ذہن ماؤف ہونے لگتا۔

وہ سوچتا: "اگرچہ دشمن کی تمام پلاننگ کی خبر مُلک میں پہلے پہنچ جاتی ہے پھر بھی وہ کامیاب کیوں نہیں ہوتے؟ بالآخر اُسے سمجھ آگئی: کہ مشرقی پاکستان میں مقابلہ ایک دشمن سے نہیں تھا۔ وہاں کی فضاؤں، ہوائیں، ندی، نالے، دریا، جنگل، درخت، پہاڑ سب پاکستانی فوج کے دشمن ہو رہے تھے! دشمن کا جب جی چاہتا اُن کی پُشت میں بڑے اطمینان اور معصومیت سے چھُرا گھونپ دیتا۔

اُس کی اطلاعات پر فوراً عمل ہوتا اور دشمن کے مذموم مقاصد کو ناکام بنانے کے لیے متبادل پلاننگ کی جاتی لیکن ابھی یہ پلاننگ پاکستانی افسروں کے ذہنوں ہی میں ہوتی تھی کہ دشمن کو اُس کا علم اپنے "ذرائع" سے ہو جاتا اور وہ فوراً اپنی سکیم بدل کر حملہ آور ہو جاتا۔

جولائی کے آغاز ہی میں بھارتی توپخانے نے مشرقی سرحدوں کے دُور اندر تک گولہ باری شروع کر دی تھی اور بھارتی فوجیں اب باقاعدہ پاکستانی فوج پر حملہ کرنے لگی تھیں۔

خان تک جب یہ خبریں پہنچتیں تو وہ پریشان ضرور ہوتا لیکن اُسے یہ اطمینان ضرور تھا کہ جلد یا بدیر اُس کی باہمت فوج کے جیالے دشمن کا مُنہ توڑ کر رکھ دیں گے۔

○

"را" کے دفتر میں اب اکثر لوگ اُسے رجنی کے بھائی کے ناطے پہچاننے لگے تھے۔ وہ معلومات حاصل کرنے کے لیے بسا اوقات تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ دیا کرتا تھا۔ اُس نے اس تمام عرصے میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر مُلک و قوم کے لیے کام کیا۔

وہ نومبر کی ہی ایک شام تھی ——!!

آج بنگالی فوجی افسران کے اعزاز میں ایک اہم پارٹی دی جا رہی تھی۔ جس میں دہلی کے بڑے بڑے لوگ بھی شامل تھے۔ خان ایسی کسی بھی بیہودہ پارٹی میں نہیں جایا کرتا تھا لیکن رجنی نے اُس سے درخواست کی تھی: کہ وہ شام ڈھلتے ہی اُسے لینے آجائے خود بھی وہاں رُکنا نہیں چاہتی تھی۔ اُس نے خان سے کہا تھا کہ اس دوران وہ پارٹی سے فرار ہونے کا کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ لے گی۔"

شام ڈھلے وہ موٹر سائیکل لے کر اُس طرف چل دیا —— جائے تقریب کے نزدیک اُس نے موٹر سائیکل کھڑی کر دی تھی۔ اِس کے نزدیک ہی تقریب کے شرکا گاڑیوں سے اُتر اُتر کر شامیانے کی طرف جا رہے تھے۔ رجنی نے اُسے یہیں رُکنے کو کہا تھا۔

بڑی بے چینی سے وہ اُس کا منتظر تھا۔ جب اچانک ایک سرکاری کار اُس سے چند قدم دُور آکر کھڑی ہو گئی۔ تیز روشنی میں ایک بڑی باوقار خاتون اُس میں سے برآمد ہوئی اور جیسے ہی کار سے باہر نکل کر وہ خان کی طرف گھومی۔ اُسے یوں لگا جیسے کسی نے بجلی کے ننگے تاروں کو چھُو لیا ہو —— وہ خوبصورت لڑکی اور خان لاکھ پردوں میں ہونے کے باوجود بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتے۔

یہ وہ خوبصورت ناگن تھی جس نے سرحد کے اندر داخل ہوتے ہی اُس پر پھن پھیلایا تھا اور وہ اُسے ایک ریلوے لائن کے پار دھکا دے کر بھاگ نکلا تھا! "اس طرح آج بالکل ایک سال بعد وہ اس سے یوں ٹکرا جائے گا ——" خان نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا —— سال پہلے کے واقعات کی فلم چند لمحوں میں اُس کے ذہن کے پردے پر چل گئی۔

لڑکی نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا تھا۔ خان نے دوسرے ہی لمحے چہرہ دوسری

Scanned by azamm@UrduFanz.com

طرف پھیر لیا۔ اُس کے لیے سوا اِس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ موٹر سائیکل سٹارٹ کرے اور وہاں سے بھاگ جائے ـــــ اور اُس نے ایسا ہی کیا۔

لیکن ابھی بمشکل اُس نے گیئر بدلا ہی تھا جب اُسے اپنی پشت پر "بھیا" کی جانی پہچانی آواز سنائی دی ـــــ یہ رجنی تھی جو اچانک کسی طرف سے وہاں آ گئی تھی ـــــ آج تقدیر نے اُس کے لیے جال پھیلایا تھا اور اب وہ واقعی اِس میں پھنس چکا تھا۔ بادلِ نخواستہ اُس نے موٹر سائیکل روکی اور رجنی کے پیچھے بیٹھتے ہی اُسے سٹارٹ کر دیا۔

ایک لمحے کے لیے اُس نے پلٹ کر دیکھا ـــــ ناگن اُس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

○

خان نے اپنی دانست میں یہی سمجھا تھا: کہ آرمی انٹیلی جنس کی کیپٹن سلوچنا نے اسے نہیں دیکھا۔ لیکن وہ بھول رہا تھا: کہ سلوچنا نے اُسے کبھی بھلایا ہی نہیں تھا ـــــ خان کا اُس کے ہاتھوں میں آ کر نکل جانا اُس کے کیریئر کا شاید سب سے ہولناک سانحہ تھا ـــــ اور آج جب اُس نے "را" کے اِس اجتماع میں انسپکٹر رجنی کے ساتھ خان کو دیکھا تو ایک لمحے کے لیے تو وہ سُن ہو کر ہی رہ گئی تھی ـــــ! اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ آج تک اِن آنکھوں نے کبھی دھوکہ نہیں کھایا۔

دُور تک وہ موٹر سائیکل کی پچھلی بتی پر نظریں جمائے کھڑی رہی ـــــ انسپکٹر رجنی اُس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ اُس کا شمار کیپٹن سلوچنا کی بڑی لائق شاگردوں میں ہوتا تھا۔ ایک لمحے کو اُس نے یہ بھی ضرور سوچا: "کہیں یہ نظر کا دھوکا ہی نہ ہو"۔ لیکن اُس کے دِل کے بجائے ذہن سے زیادہ کام لیا اور جب اُسے اپنے ہر سوال کا جواب ہاں ہی ہاں میں ملا تو اُسے یقین آ گیا: "کہ یہ وہی پاکستانی ایجنٹ ہے جو اُسے ریلوے لائن کے پار دھکا دے کر بھاگ گیا تھا"۔

"اور اگر یہ شخص واقعی وہی ہے تو اِس کا زیادہ دیر تک آزاد رہنا اُس کے مُلک کے لیے اور زیادہ تباہ کُن ثابت ہو گا ـــــ" کیپٹن سلوچنا نے سوچا اور دوسرے ہی لمحے وہ روبہ عمل تھی: وہ بجائے تقریب گاہ کی طرف جانے کے اچانک ہی دوسری طرف گھوم گئی ـــــ اُس کا رُخ "را" کے آپریشن روم کی طرف تھا۔

○

بمشکل پانچ منٹ بعد ایک مودب سیکورٹی آفیسر اُس کے سامنے انسپکٹر رجنی کی پرسنل فائل میں رجنی کا تمام پس منظر، خاندانی روابط، نئے اور پرانے دوستوں کے پتوں کے ساتھ موجود تھے۔

"را" اپنے کسی ایجنٹ سے یونہی آنکھیں بند نہیں کر لیتی تھی۔ وہاں اُس کی آمد و رفت اور اُس کے حلقہ احباب کا مکمل ریکارڈ اُسے لاعلم رکھ کر رکھا جاتا تھا۔ خان کے شاید وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اُس کی کوئی تصویر بھی اِس "پرسنل فائل" کا ایک حصّہ بن کر رہ گئی تھی۔ دوسری بہت سی تصویروں کی طرح ـــــ!!

کیپٹن سلوچنا کی آنکھیں اب دھوکہ کھانے کو تیار نہیں تھیں۔ اِس تصویر میں گو کہ خان نے ڈاڑھی رکھی ہوئی تھی اور اُس کی آنکھوں پر گہرے رنگ کے شیشوں کی عینک بھی موجود تھی لیکن سلوچنا کو یقین آ گیا تھا کہ یہ وہی ہے ـــــ بالکل وہی!

اب اُس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ یہ کارنامہ بڑی خاموشی سے اور اچانک انجام دینا چاہتی تھی۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد ایک پرائیویٹ کار میں سول کپڑے پہنے وہ رجنی کے گھر کی طرف اُڑی چلی جا رہی تھی ـــــ اُس کا ذہن کار سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے سفر کر رہا تھا۔

○

خان بظاہر تو مطمئن تھا لیکن اِس کی چھٹی حِس نے کسی پیش آمدہ خطرے کی نشاندہی

aazzamm@yahoo.com
Scanned by azzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

بھی کر دی تھی۔ احتیاط ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ہی اُس نے رجنی کو کالونی کے باہر ہی اُتار دیا۔

"میں ذرا احمد کمال سے مِلنے جا رہا ہوں ایک ضروری کام ہے اور میں نے اُسے وقت بھی تقریباً یہی دیا ہوا ہے۔ بیچارہ پریشان ہوگا۔ پھر کام بھی تمہارا ہے اِس لیے بُرا مت ماننا ——" اُس نے اچانک موٹر سائیکل رُکنے پر حیران کھڑی رجنی کو کہا اور اُس کا جواب سُنے بغیر ہی موٹر سائیکل دوبارہ سٹارٹ کر دی۔

کالونی سے کچھ دُور واقع ایک سینما گھر کے سائیکل اسٹینڈ پر اُس نے موٹر سائیکل کھڑی کر دی اب اُس کا رُخ قریبی ٹیلیفون بُوتھ کی طرف تھا —— کسی آمدہ خطرے کی صورت میں وہ فرار کی صورت پہلے ہی تلاش کر لینا چاہتا تھا۔

اِس سے قبل اُس سے عموماً خود ہی کوئی رابطہ قائم کرتا تھا اور اُسے کوئی فون نمبر رابطے کے لیے دے دیا جاتا تھا۔ اِس وقت اُس کے پاس کوئی ایسا نمبر بھی نہیں تھا جس سے وہ اِس صورتحال میں راہنمائی حاصل کر سکتا۔

اُس نے بڑی اُمید کے ساتھ ایک دوسرے مُلک کے نمبر پر کال بُک کروائی تھی اور بُوتھ پر موجود کلرک کی مُٹھی بھی گرم کر دی تاکہ وہ اُس کا نمبر دوسروں سے پہلے لگا دے پھر بھی اُسے قریباً آدھ گھنٹہ انتظار کرنا پڑا —— اور آدھ گھنٹے کے بعد اُسے اطلاع ملی کہ اُس کا دیا ہُوا نمبر موسمی خرابی کی وجہ سے مل نہیں رہا۔

خان کو اِس صورتِ حال نے چکرا کر ہی رکھ دیا تھا ——!!

کال بُوتھ سے باہر آ کر وہ کچھ سوچتا ہُوا سینما کی طرف چل دیا۔ کسی آمدہ خیال کے تحت اچانک ہی اُس نے گھر فون کیا۔ یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ فون رُما نے رسیو کیا۔

"ہیلو رُما....."

"آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟" —— رُما نے دوسری طرف سے فوراً سوال کیا اور خان کا ماتھا ٹھنکا۔

"کیوں بھئی خیریت" —— اُس کو اپنی آواز حلق میں گھٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"بھگوان کے لیے اُردون —— جلدی بتاؤ —— اور ہاں گھر نہیں آنا۔ میں وہاں آتی ہوں" رُما نے اتنی بہت سی باتیں جتنی جلدی اور تیزی میں کہہ دی تھیں۔ اُس سے خان اُس پر گزرنے والے طوفان کی شدّت کا اندازہ بخوبی کر سکتا تھا۔

○

رُما رجنی کے گھر موجود تھی جب رجنی وہاں آئی کیونکہ آج اُن دونوں نے شام کے بعد اپنی ایک سہیلی کے ہاں جانا تھا اُس کا خیال تھا کہ وہ اندازاً اُس وقت تک گھر پہنچ جائے گی اور رُما نے سوچا، وہیں سے دونوں چلی جائیں گی۔

رجنی کی آمد کے بمشکل پندرہ منٹ بعد ہی جب وہ دونوں گھر سے رُخصت ہو رہی تھیں ایک تیز رفتار کار اُن کے دروازے پر آ کر رُکی۔ کار میں سے برآمد ہونے والی شخصیت پر نظر پڑتے ہی رجنی کو یوں لگا جیسے اچانک کسی نے اُس کا دل مُٹھی میں جکڑ کر زور سے دبا دیا ہو۔ اُس کے چہرے کی اچانک بدلتی رنگت نے رُما کو بُھلا کر ہی تو رکھ دیا تھا۔

رجنی نے چاہا ایک قدم اُٹھائے لیکن کیپٹن سلوچنا پر نظر پڑتے ہی جیسے زمین نے اُس کے پاؤں جکڑ لیے "سلوچنا کی اچانک اور ہنگامی آمد کا ضرور کوئی اہم سبب ہوگا اور معاملہ خاصا سیریس" رجنی نے دل ہی دل میں سوچا۔

"ہیلو انسپکٹر رجنی" —— سلوچنا نے اُس کے نزدیک آ کر کہا۔

"ہیلو" —— رجنی کو معمولی سا مسکرانے کے لیے بھی بہت زور صرف کرنا پڑا۔

"آؤ اندر بیٹھتے ہیں" —— اُس نے رجنی سے کہا اور بڑی بے تکلفی سے اُس کے

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

بازو کو تھپتھپاتی اندر کمرے میں چلی آئی ـــــ "آپ کا پرتیچے"

"یہ ماتا جی کی شاگرد ہے کلپنا ـــــ آج پہلی مرتبہ مل ہے مجھ سے" کسی لاشعوری عمل کے تابع رجنی نے جھوٹ بول دیا۔ اُسکی چھٹی حس چلا چلا کر کسی جلد لوٹنے والی قیامت کا احساس دِلا رہی تھی ـــــ "تم ذرا چلو۔ موسی جی سے کہنا میں تھوڑی دیر بعد آجاؤں گی"

اُس نے رَما کی طرف مُڑ کر ایک آنکھ دبائی۔

رَما کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اُسے ہپناٹائز کر دیا ہو۔ رجنی کا جھوٹ، پھر اُس کی طرف دیکھ کر آنکھ دبانا ـــــ وہ ایک لمحے کے لیے بوکھلائی ضرور تھی لیکن سنبھل گئی۔ صورتحال کی سنگینی کا احساس اُسے بڑی شدّت سے ہو گیا تھا۔ اُس نے سوچا ضرور کچھ خطرناک بات ہے ورنہ رجنی یوں اُسے یہاں سے نہ بھگاتی۔

بظاہر خود کو صورتحال سے لاتعلق کر کے وہ دروازے سے دوسرے کمرے میں داخل ہو گئی لیکن اپنے کان جیسے وہ اُس کمرے میں چھوڑ آئی تھی۔

"مس رجنی تمہارا وہ دوست ارون کمار کہاں ہے؟" اُسے سلوچنا کی آواز سنائی دی۔

"کیوں ـــــ آپ کون ہوتی ہیں میرے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے والی" رجنی نے شاید جان بُوجھ کر اپنی آواز بلند رکھی تھی تاکہ دوسرے کمرے میں موجود اُس کی سہیلی کو صورتحال کی سنگینی کا احساس ہو جائے۔

"انسپکٹر رجنی وہ تمہارا ذاتی معاملہ نہیں رہا ـــــ" سلوچنا دھاڑی: "ارون کمار پاک سپائی ہے ـــــ بہت خطرناک ایجنٹ"

رَما کو یوں لگا جیسے کسی نے بڑے زور سے گھونسا اُس کے دل پر مار دیا ہو۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ" ـــــ رجنی کی بوکھلاہٹ نمایاں تھی۔

"وقت ضائع نہ کرو رجنی ورنہ معاملہ سنگین بھی ہو سکتا ہے۔ کہاں ہے وہ ـــــ؟"

"اُس سے میری دوستی پُرانی نہیں کیپٹن! اور ہونا کہاں ہے اُسے؟ اپنے گھر ہوگا۔ لیکن آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے ـــــ شاید آپ کو دھوکا ہُوا ہے ـــــ"

"رہتا کہاں ہے وہ ـــــ؟" سلوچنا غرّائی۔

"اُدھر گنج منڈی کی طرف کہیں رہتا ہے ـــــ مجھے اُس کے گھر کا علم ہے۔ نمبر وغیرہ یاد نہیں"

"رجنی تمہیں فوراً میرے ساتھ جانا ہوگا"

"لیکن میں اپنے پرسنل باس کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کروں گی"

"میں کیپٹن سلوچنا تمہیں حُکم دیتی ہوں" اِس مرتبہ سلوچنا کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔

دوسرے کمرے میں موجود رَما کی باقی تمام حسّات کو تو موت آچکی تھی، شاید سُننے کی حس ابھی زندہ تھی۔ اُس نے خود کو گرنے سے بچانے کے لیے دیوار کا سہارا لے لیا تھا۔

"اوکے۔ میں آپ کے ساتھ پہلے آفس جاؤں گی اور اپنے باس سے اجازت کے بغیر کوئی اگلا قدم نہیں اُٹھاؤں گی"

"رجنی تمہیں اِس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا" ـــــ سلوچنا نے دھمکی دی۔

ایک بات تو رَما واضح طور پر محسوس کر سکتی تھی کہ رجنی بہر صورت ارون کو بچانا چاہتی ہے ورنہ وہ اُس کا نام غلط نہ بتاتی نہ ہی اس طرح وقت کو ٹالتی۔

"میں لباس تبدیل کر لوں" کہہ کر وہ سلوچنا کی کوئی بات سُنے بغیر اُس کمرے میں چلی آئی تھی جہاں رَما موجود تھی۔ موسی شاید کسی ساتھ والے کوارٹر میں گئی ہوئی تھی۔ ورنہ اب تک وہ یہاں ضرور آجاتی۔

دوسرے کمرے میں رَما کو دیکھ کر اُس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا پھر

Scanned by azzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

بڑی باوقار چال چلتی ہوئی اُس کی طرف آئی۔ اُس نے اپنے مُنہ پر انگلی رکھ کر اشارہ کر دیا تھا کہ وہ اپنی زبان بند رکھے تاکہ اُس کی وہاں موجودگی کا سلوچنا کو علم نہ ہو سکے۔ دو قدم مزید آگے بڑھ کر وہ رَما سے لپٹ گئی۔

"رَما ـــــ میری دوست!" اُس نے رَما کے کان کے نزدیک مُنہ کر کے سسکاری بھری۔ "وقت بہت کم ہے صرف میری بات غور سے سُن لو۔ مجھے نہیں معلوم وہ کون ہے۔ کون نہیں! بس وہ میرا بھائی تھا ـــــ رَما ایک روز اُس نے کہا تھا ممکن ہے مُشکل حالات میں مَیں اُسے پہچاننے سے انکار کر دوں ـــــ اگر زندگی میں کبھی ارون بھیّا سے مُلاقات ہو جائے تو اُسے بتا دینا کہ اُس کی راجپوت بہن نے اُسے مرتے دَم تک نہیں بُھلایا تھا۔ رَما مَیں تم دونوں کی محبت پر قربان ہونے جا رہی ہوں، اس اُمید پر کہ تم بھی اس محبت کا بھرم رکھو گی رَما! ایک نہ ایک روز یہ لوگ تم تک پہنچ جائیں گے ـــــ اور وہ زندگی موت سے بدتر ہو گی ـــــ اگر مرنا ہی ہے تو ارون بھیّا کی محبت پر مر جاؤ ـــــ" اُس نے رَما کا بوسہ لیا اور نزدیکی الماری کی طرف بڑھ گئی۔

رَما کی قوتِ سماعت تو ابھی تک زندہ تھی لیکن قوتِ گویائی سلب ہو چکی تھی۔ اب تک جانے کتنی ہچکیاں اُس کے حلق میں دَم توڑ چکی تھیں۔ اُس نے رجنی سے بہت کچھ کہنا چاہا لیکن کچھ نہ کہہ سکی۔ ایک پھانس سی اُس کے حلق میں اٹک کر رہ گئی۔

اُس کے دیکھتے ہی دیکھتے رجنی نے الماری سے اپنا سروس پستول نکالا اُس کے چیمبر میں گولیاں لوڈ کیں اور دوسرے کمرے میں پہنچ گئی۔ اُس کے ہاتھ میں اُس طرح پستول دیکھ کر سلوچنا اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گئی۔

"کیپٹن سلوچنا!" ـــــ اُس نے پستول سیدھا کرتے ہوئے کہا ـــــ "میں جانتی ہوں کہ تم جھوٹ نہیں کہو گی ـــــ تم اپنے کام کی ماہر ہو: اگر مَیں نے ارون کمار کو گرفتار

بھی کروا دیا تو بھی تم لوگ مجھے زندہ درگور کر دو گے۔ مَیں راجپوت لڑکی ہوں مس سلوچنا! کسی تفتیشی مرکز میں تمہارے سدھائے ہوئے کتّوں سے اپنا جسم نچوانے سے مر جانا میرے لیے زیادہ موزوں ہے کیپٹن سلوچنا! مَیں مرتے دَم جھوٹ نہیں بولوں گی۔ مجھے علم نہیں تھا کہ میرا بھائی پاکستانی جاسوس ہے اگر علم ہو بھی جاتا تو بھی مَیں اُسے تمہارے ہاتھوں گرفتار نہ کرواتی۔ لیکن وطن سے غدّاری کا مَیں نے کبھی تصوّر بھی نہیں کیا ـــــ اور ہاں کیپٹن سلوچنا! تم ہی شاید ایک ایسی ہستی ہو جس سے میرے بھائی کو خطرہ لاحق ہے۔ مَیں اپنے ساتھ ہی یہ کہانی بھی ختم کر دینا چاہتی ہوں۔ کیپٹن سلوچنا!" ـــــ وہ شیرنی کی طرح دھاڑی: "تمہیں بھی میرے ساتھ ہی مرنا ہو گا، ہاں ـــــ تمہیں! تاکہ یہ راز تمہارے ساتھ ہی ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے۔"

ایک لمحے کے لیے رُک کر اُس نے پستول والے ہاتھ کو حرکت دی "زیادہ ہوشیاری نہ دکھانا کیپٹن۔ اپنی جگہ بیٹھی رہو۔" اُس نے محسوس کیا تھا کہ شاید سلوچنا کے جسم میں حرکت ہوئی ہے! سلوچنا اپنی جگہ دوبارہ جم کر رہ گئی۔

اُسے یہ لڑکی اِس لمحے کالی کا کوئی روپ دکھائی دے رہی تھی۔ اُس نے سوچا: "جو عورت اپنی جان دینے جا رہی ہے وہ اُس کی جان بھی لے سکتی ہے۔"

"سلوچنا! تم میری اس بات کا مطلب نہیں سمجھ سکو گی کیونکہ تم اس رشتے کو سمجھ ہی نہیں سکتی جو میرے اور اُس کے درمیان اُستوار ہو چکا تھا۔ اور ہاں مرنے سے پہلے یہ بھی جان لو کہ مَیں نے تمہیں اس کا ایڈریس بھی غلط بتایا ہے ـــــ اب سے کوئی آدھ گھنٹہ پہلے والی فلائیٹ میں وہ دہلی سے جا چکا ہے ـــــ تم اس کی گرد کو بھی اب نہیں پہنچ سکو گی۔"

"رجنی" ـــــ سلوچنا اپنی جگہ بیٹھی بیٹھی چیخی۔ غصّے سے اُس کے جبڑے باہر نکل رہے تھے۔ اُس نے اپنے دانت دانتوں پر سختی سے جما رکھے تھے۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"شٹ اپ" ـــــ رجنی چلائی۔ پستول سیدھا کرتے ہوئے اُس نے سلوچنا پر بہت نزدیک سے تین گولیاں فائر کر دیں۔ تینوں گولیاں سلوچنا کے سر پر لگی تھیں۔

اُس کو زیادہ تڑپنے کی مہلت بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

اُس کے ساتھ ہی اُس کے ہاتھ کا رخ بدلا اور رما کی سماعت ایک اور دھماکے سے لرز کر رہ گئی ـــــ رجنی نے اپنے ہاتھوں اپنی جان بھی لے لی تھی۔

رما کے دِل پر جیسے کسی نے آرا چلا دیا ہو۔ اُس نے ایک لمحے کے لیے دوسرے کمرے میں جھانکا۔ پھر دیوانہ وار باہر کو لپکی۔

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

Scanned by azamm@UrduFanz.com

تصویر کے دونوں رُخ

پاکستان کے انٹیلی جنس بیڈ کوارٹر میں قریباً سبھی اہم شخصیات ایک گول میز کے گرد براجمان تھیں۔

اُن کے سامنے ایک فائل میں مختلف خطوط کی فوٹو سٹیٹ موجود تھیں۔ جن کے ساتھ ایک سرخی نوٹ الگ سے لکھا گیا تھا ـــــ جس میں تفصیلاً بتایا گیا تھا کہ یہ انٹیلی جنس کے ایجنٹ عابد خان کی حاصل کردہ وہ فائل ہے جو اس نے غدار بنگالی کرنل سے چھین کر اپنے قبضے میں لی اور پھر منوہر لال (کور نام) نے اپنی جان پر کھیل کر یہ رپورٹ سرحد پار تک پہنچائی تھی ـــــ خان نے بنگالی کرنل کو جہنم رسید کرنے کے فوراً ہی بعد اُن لوگوں سے رابطہ قائم کیا تھا اور اگلے ہی روز دہلی کے ایک ریستوران میں منوہر لال نے اُس سے کاغذات وصول کر کے سرحد پار پہنچا دیئے تھے۔

اس فائل میں جو را نے بنگالی کرنل کو اپنا رعب جمانے کے لیے مطالعے کو دی تھی، اُس کے مختلف ایجنٹوں کی رپورٹیں موجود تھیں۔ جن کے ذریعے بنگالی کرنل کو یہ باور کروایا جا رہا تھا کہ اگر اس کے ذہن میں کوئی شک شبہ موجود ہو ـــــ تو اس فائل کے مطالعے کے بعد وہ ختم ہو جائے اور وہ جی جان سے اپنے نئے مالکوں کے ساتھ وفادار ہو جائے!!

ان خطوط کے ذریعے دشمن کے عزائم بے نقاب ہو گئے تھے ـــــ عابد خان کی اس رپورٹ نے اُن لوگوں کے شبہات کو یقین میں بدل دیا تھا۔ گو کہ وہ اس سے پہلے سے

aazzamm@yahoo.com

دشمن کی مکمل پلاننگ جو اُس نے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش میں بدلنے کے لیے تیار کی ہوئی تھی ـــــ کی روداد بھی اپنے مُلک میں پہنچا چکا تھا ـــــ لیکن اس فائل میں "را" کے مختلف ایجنٹوں نے خطوط لکھ کر اُن لوگوں باور کروا دیا تھا کہ بغاوت سارے مشرقی پاکستان میں پھیل چکی تھی سب لوگ باری باری فائل میں لگے خطوط پڑھ رہے تھے ـــــ!!

○

ٹاپ سیکرٹ

کونفیڈنشل رپورٹ

..... صرف اُسی کے لیے جس سے یہ متعلق ہے۔

حسبِ حُکم میں نے "وائیٹ فلاور" سے رابطہ قائم کیا تھا۔ ہماری ملاقات [illegible] نمبر پر ہوئی۔ "فلاور" یہاں ایک پناہ گاہ میں چھپا ہوا ہے۔ اُس نے اس بات کا یقین دلایا ہے کہ اگر اُسے مطلوبہ رقم یعنی ۲ لاکھ روپیہ (مقامی کرنسی) پہنچا دی جائے تو وہ اردگرد کے دیہاتوں سے کم از کم ایک ہزار کارکن مکتی باہنی کے لیے فراہم کر سکتا ہے۔

میں نے اُسے یقین دہانی کروا دی ہے کہ کسی بھی مشکل کے وقت ہم اُسے ہر ممکن امداد بہم پہنچائیں گے اور ضرورت پڑنے پر اُسے سرحد پار بھی جانا ہوگا۔ "وائیٹ فلاور" نے میرے لیے بہت کام کیا ہے اُس کی خاص کمزوری عورت اور شراب ہے میں بھرپور فائدہ اٹھا رہا ہوں۔

مجھے اُمید ہے کہ آپ کو میرا "کوڈ میسج" مل چکا ہوگا۔ دو لڑکیاں فوراً اُس طرف روانہ کر دیں۔

میں نے اس بات کا خاص طور سے اہتمام کیا ہے کہ اگر "وائیٹ فلاور" ہمارے لیے خطرہ بننے لگے تو اُسے کسی بھی غیر محسوس طریقے سے مروا دیا جائے۔

"سی ون" کی طرف سے بھیجا ہُوا پہلا پارسل کل مل گیا تھا۔ میں نے اسلحہ تقسیم کروا دیا ہے۔ اور ان لوگوں کو خصوصی ہدایت کی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ غیر بنگالیوں کا قتلِ عام کریں تاکہ پاکستانی فوج مجبور ہو کر چھاؤنیوں سے باہر نکل آئے اور اس کا بنگالیوں سے براہِ راست ٹکراؤ ہو جائے۔

ایجنٹ ۰۰ ایکس

○

ٹاپ سیکرٹ

کونفیڈنشل رپورٹ ..... صرف وہی پڑھے جس سے متعلق ہے

چاٹگام کے پوائنٹ نمبر ۱۰ سے اطلاع ملی ہے کہ "قادر باہنی" نے کل معمول کی گشت پر جانے والے ایک فوجی کنوائے پر دھوکے سے حملہ کر دیا۔ جب اُن کا تعاقب کرتے ہُوئے پاکستانی فوج ایک گاؤں میں داخل ہوئی تو بھاگتے ہُوئے ان لوگوں نے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق وہاں تین دیہاتیوں کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا اور دُور دُور تک دیہاتوں میں یہ افواہ پھیلا دی کہ پاکستانی فوج نے نہتے اور بے گناہ بنگالیوں کا قتلِ عام شروع کر دیا ہے۔

منصوبے کے مطابق ہمارے آدمی جن کے پاس اسلحہ موجود تھا لوگوں کو اشتعال دلا کر فوج کے مقابل لے آئے اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ دیہاتیوں اور فوج کا تصادم ناگزیر ہو گیا ـــــ پندرہ آدمی مارے گئے ـــــ ہمارا منصوبہ بالکل کامیاب رہا۔

ایجنٹ نمبر ون ـــــ نائنٹین ایکس کو حسبِ حُکم یہ کارنامہ انجام دینے پر کرنسی نوٹ [illegible] دیئے ہیں.....

اس سلسلے میں انسپکٹر شاروا کمار نے جو خصوصی خدمات انجام دی ہیں۔ اُن کے

scanned by aazamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

پیش نظر اُس کی ترقی کی سفارش کی جاتی ہے .....

ایجنٹ فاکس اوَن

○

ٹاپ سیکرٹ

کونفیڈنشل رپورٹ

.....صرف وہی پڑھے جس سے متعلق ہے۔

راجشاھی میں موجود "گروپ نمبر ۱۶" کے لیے اگلا پروگرام ۔ ۲۸ اگست کو رات ٹھیک پونے دو بجے "پوائنٹ نمبر ۹۳" پر شمال کی جانب سے ایک گن بوٹ آ کر رُکے گی.....

تین ٹارچیں سُرخ رنگ کی مسلسل جلا بجھا کر سگنل پاس کیے جائیں گے.....

تین منٹ انتظار کے بعد پھر تین سگنل دیئے جائیں گے..... اسی ترتیب سے گروپ نمبر ۱۷ "جوابی کوڈ دھرائے گا ..... دو منٹ کے مزید انتظار کے بعد "گروپ نمبر ۱۷" کا مقامی کمانڈر بوٹ تک جائے گا.....

پہلے سے موصول شدہ کوڈ کے تبادلے کے بعد اسلحہ اور گن بوٹ میں موجود تین بھارتی کمانڈوز "گروپ نمبر ۱۷" میں شامل ہو جائیں گے۔

(مقرر) ۲۸ اگست ..... پوائنٹ نمبر ۹۳ ..... شمال کی سمت ..... رات دو بجے.....

آپ کی طرف سے بھیجی ہوئی تینوں لڑکیاں مسلمان بنگالی ملازم پیشہ خواتین کے روپ میں ہم نے تین اعلیٰ افسروں کے گھروں میں داخل کر دی ہیں اور اُنہوں نے اپنا کام بھی شروع کر دیا ہے.....

ہمیں قوی اُمید ہے کہ جلد ہی یہ تینوں افسروں سے ناجائز تعلقات قائم کر کے اُن

سے راز حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی.....

ہیڈ کوارٹر کی طرف سے موصول ہونے والے نئے احکامات اور مطلوبہ آپریشنز اُن تک پہنچا دیئے گئے ہیں.....

ایجنٹ سی او ۔ تھری

○

ٹاپ سیکرٹ

کونفیڈنشل

رپورٹ ویسٹرن کمانڈ

.....صرف وہی پڑھے جس سے متعلق ہے۔

ویسٹرن فرنٹ کی طرف سے آنے والی مختلف ایجنٹوں کی رپورٹوں کے بعد ہم نے یہ سفارشات مرتب کی ہیں۔

۱۔ ایسٹ بنگال جیسی نوعیت کا ایک ماسٹر پلان فوراً تیار کر کے یہاں ویسٹ میں اُس پر کام شروع کر دیا جائے۔ ہم نے اس سلسلے میں ترجیحات مقرر کی اُن کی تفصیل۔

الف ..... اپنے نظریات کے حامل افراد کی ہمدردیاں ہمیں پہلے ہی حاصل ہیں۔ اُن کو اپنے اصل مقاصد سے لاعلم رکھ کر اور صوبائی آزادی کا لالچ دے کر ہم باآسانی اپنے راستے پر لا سکتے ہیں۔

ب ..... تربیت یافتہ لڑکیوں کے ذریعے حکومت میں موجود آزاد خیال اور ہمارے نظریات سے اتفاق رکھنے والے افسران کو قابو کیا جا سکتا ہے۔

ج ..... کچھ لوگوں کے راز حاصل کر کے اُنہیں بلیک میل کر کے اپنا کام کیا جا سکتا ہے۔

د ..... لالچ، دباؤ، دھمکی کے ہتھیار استعمال ہو سکتے ہیں (وقتاً فوقتاً)

۲۔ نوجوانوں کے ذریعے ہم اپنے مقاصد میں اس طرح کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

الف ..... اُن کی درسگاہوں تک رسائی حاصل کر کے اُن کے اساتذہ کے ذریعے اُن میں نظریۂ پاکستان کے خلاف پرچار کیا جائے۔

ب ..... طلبا کے لیڈروں کو رشوت، جنسی ترغیب یا لالچ دے کر درسگاہوں میں اپنی حامی طلبا تنظیمیں قائم کی جا سکتی ہیں۔

۳۔ خواتین میں کام کرنے کے لیے اور اُنہیں اپنی ہمنوا بنانے کے لیے درج ذیل سفارشات طے پائی ہیں۔

الف ..... ترقی پسند (پروگریسو) خواتین تک اپنی ایجنٹوں کے ذریعے رسائی حاصل کی جائے۔

ب ..... خواتین میں آزاد خیالی کو رواج دیا جائے اس سلسلے میں اُن تک لٹریچر پہنچانا شروع کر دیا گیا ہے۔

(انتہائی اہم نوٹ)

ہم نے اپنے کام کے لیے کچھ لوگوں کو تیار کر لیا ہے....

(میسج ری پیٹ)

.....

.....

ایجنٹ تھری الیف

○

اس فائل کے ساتھ ہی ایک اور فائل بھی اِن لوگوں کے سامنے دھری تھی، جس میں بھارتی وزیرِ اعظم مسز اندرا گاندھی کے وہ بیانات اور تقریریں تھیں جن میں اُس نے دُنیا بھر کو چیخ چیخ کر یہ بتایا تھا کہ پاکستانی فوج بنگالیوں کا قتلِ عام کر رہی ہے اور بھارت پر زبردستی جنگ مسلط کی جا رہی ہے۔

اس فائل کے ساتھ ایک تیسری فائل میں جو بھارتی انٹیلی جنس "را" کی ہیت ترکیبی اور اُس کے مشرقی پاکستان میں شروع ہونے والے آپریشنز سے متعلق تھی، پہلے ہی حصہ پر ایک نقشہ چسپاں کیا گیا تھا۔

اس نقشے میں بھارت کی اس حال ہی میں قیام پانے والی انٹیلی جنس کے طریق کار اور کارپردازان کے عہدوں کی نشاندہی کی گئی تھی جس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس گھناؤنی مہم کی براہِ راست کمان بھارتی وزیرِ اعظم کر رہی ہے جو بھارتی انٹیلی جنس "را" کی براہِ راست نگران اعلیٰ تھی۔ کتنا تضاد تھا ——

کتنا بڑا دھوکہ تھا ——

کتنا اذیت ناک کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ بنگالیوں کی تقدیر سے اور شاطر اپنی چرب زبانی کی وجہ سے "مظلوم" بھی بنا بیٹھا تھا —— !!

Scanned by azamm@UrduFanz.com

Scanned By:
Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

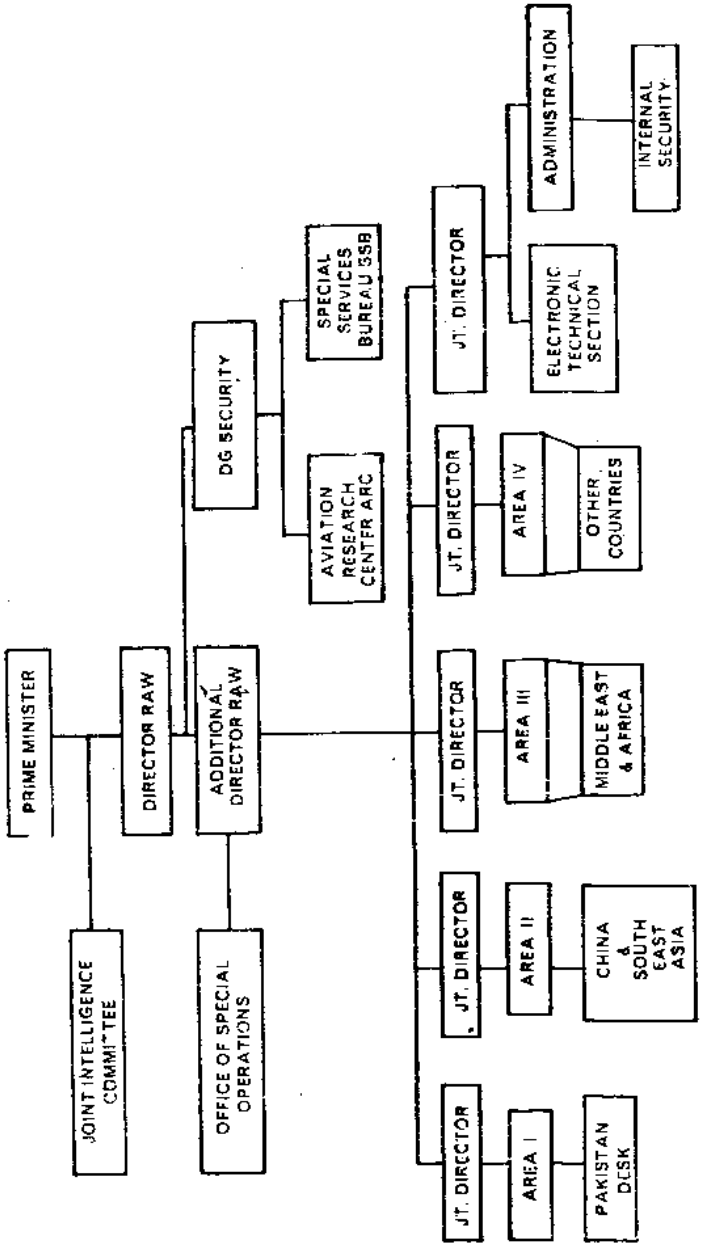

Scanned by azamm@UrduFanz.com

شبنم

دیوانہ وار بھاگتی ہوئی وہ اپنے گھر پہنچی تھی۔

یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ اُسے کسی نے گھر میں داخل ہوتے نہیں دیکھا ورنہ اُس کی بظاہر حالت دیکھ کر ہر کوئی اُس پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دیتا ـــــ!! وہ اسی اُمید پر گھر آئی تھی کہ شاید اروِن کمار گھر پہ موجود ہو۔ لیکن یہاں تو کوئی نظر ہی نہیں آرہا تھا۔ رسوئی میں شاید ماتا رات کا کھانا تیار کر رہی تھیں۔

اُس پر عجیب وحشت سی طاری تھی "زندگی اتنی اچانک اور تیز چوٹ کر جائے گی" اُس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اپنی عزیز ترین سہیلی کی خودکشی اور اپنی متاعِ حیات کے متعلق یہ انکشاف "کہ وہ پاکستانی جاسوس ہے۔" اِس صورتحال نے اُسے کاٹھ کر رکھ دیا تھا۔ رَما کو یوں محسوس پڑتا تھا جیسے کوئی تیز دھار چھُری سے اُسے کاٹتا چلا جا رہا ہو بہت دُور اندر تک ـــــ اُس کا دل پھُوٹ پھُوٹ کر رونے کو چاہتا تھا لیکن وہ رو نہیں سکتی تھی۔

اپنی سہیلی کے یہ الفاظ ابھی تک اُس کے ذہن میں دھماکہ پیدا کر رہے تھے: "کہ یہ لوگ بالآخر اُس تک پہنچ جائیں گے" اور وہ بخوبی جانتی تھی کہ تب جینا اُس کے لیے جہنم بنا دیا جائے گا ـــــ پھر وہ کیا کرے؟ ـــــ اُس نے زندگی میں کبھی اروِن سے الگ رہ کر جینے کا سوچا ہی نہیں تھا۔ اَب کیسے اُس سے الگ رہ کر جی

aazzamm@yahoo.com

سکے گی ؟ کس طرح ممکن ہوگا اُس کے لیے ارون کو بھول جانا ؟

"نہیں ارون ! تم جو کوئی بھی ہو میرے ہو۔ میں جیتے جی تم سے الگ نہیں رہ سکتی۔ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی مکمل انسان اور مرد دیکھا ہے۔ اِس سوسائٹی میں جہاں ہر سمت بھیڑیوں کے غول عورتوں پر جھپٹنے کے لیے مُنڈلا رہے ہیں ایک تم ہی تو تھے جسے میں نے کھو جا تھا ـــــ ؟" وہ دِل ہی دِل میں جانے خود کو کیا کچھ کہتی رہی کہ :

ـــــ اچانک ہی فون کی گھنٹی بجی اور دوسری طرف سے خان اُس سے مخاطب تھا :

"رُما تم اگر کچھ کہنا چاہتی ہو تو فوراً کہہ ڈالو" ـــــ خان نے اُس کو اپنی موجودگی بتانے سے احتراز برتا۔

"ارون کمار وقت کم ہے۔ بھگوان کے لیے مجھ پر وشواش کرو۔ میں آج بھی صرف تمہاری رُما ہوں ـــــ تمہاری رُما" وہ قریباً رو دی۔

"ٹھیک ہے تم کناٹ پیلس کی اُس بنچ پر آجاؤ جہاں ہم اکثر بیٹھا کرتے ہیں" خان نے کہا اور فون بند کر دیا۔

○

اُس کا دِل گواہی دے رہا تھا کہ رُما اُسے دھوکہ نہیں دے رہی۔ یوں بھی اس صورتحال میں اُس کو اگر کسی طرف سے مدد کی اُمید تھی تو وہ رُما ہی تھی۔

ابھی تک اُس کا رابطہ "دوستوں" سے نہیں ہُوا تھا کہ اُدھر سے موصولہ کسی ہدایت پر عمل پیرا ہو سکے۔ اب تو اُسے جو کچھ بھی کرنا تھا خود کرنا تھا ـــــ اور ان حالات میں اُس کے پاس سوا اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ سرحد عبور کر کے وطن واپس لوٹ جائے۔ فی الوقت یہ زمین اُس پر تنگ تھی۔ اگلے ہی لمحے ایک رکشہ

پر وہ کناٹ پیلس جا رہا تھا۔

کناٹ پیلس کے اُس مخصوص بنچ پر اُس کی نظریں جمی تھیں اور خود وہ اُس راستے پر کھڑا تھا جو اُس طرف آتا تھا۔ اُس نے خود کو چھپائے رکھنے کے لیے ایسی جگہ تلاش کی تھی جہاں وہ دُور تک اُس طرف آتے ہوئے رُما پر نظر رکھ سکتا تھا۔

اپنی آمد کے بمشکل چند منٹ بعد اُس نے دُور سڑک کنارے ایک ٹیکسی رُکتے دیکھی جس سے رُما برآمد ہوئی۔ وہ بڑے پتے تُلے اور محتاط قدموں سے اس طرف آ رہی تھی۔ خان کے نزدیک سے گزر کر وہ اُس مخصوص بنچ تک پہنچی اور اُس پر بیٹھ گئی۔

دس منٹ تک خان اپنی جگہ کھڑا اُس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتا رہا۔ رُما بار بار بے چینی سے اپنی گھڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دس منٹ بعد اُس نے اپنا بیگ اٹھایا اور اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ پھر دوبارہ اُس بنچ پر بیٹھ گئی ـــــ خان نے اُس دوران بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ نہ کوئی اُس کی نگرانی کر رہا ہے۔ نہ ہی کسی نے اُس کا تعاقب کیا تھا ـــــ وہ اپنی جگہ سے باہر نکلا اور اچانک ہی اُس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"ارون ـــــ" خان پر نظریں پڑتے ہی رُما پھٹ پڑی۔

وہ قریباً بھاگتی ہوئی اُس کی طرف آئی اور اُس سے لپٹ گئی۔ خان نے محسوس کیا اُس کا سارا جسم لرز رہا ہے۔

"ارون ـــــ" دوبارہ اُس نے رُندھے ہوئے گلے سے کہا اور سسک پڑی : "یہ کیا ہو گیا ارون ـــــ میری محبت کو کس کی نظر کھا گئی ؟"

"رُما پاگل مت بنو اس طرف کوئی بھی آ سکتا ہے آؤ کہیں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں" اُس نے رُما کی پیٹھ پر تھپکی دے کر اُسے خود سے الگ کر دیا۔

○

Scanned by azzamm@UrduPoint.com

aazzamm@yahoo.com

ایک قدرے ویران اور لوگوں کی آمدورفت سے محفوظ گوشۂ عافیت میں بیٹھے دونوں مصروفِ گفتگو تھے؛ رُما نے سسکیاں لیتے ہوئے اُسے اب تک کی کہانی سنائی تھی۔

رجنی کی موت پر خان کا دل بھی بھر آیا۔ آج زندگی میں پہلی مرتبہ بہت شدت سے انسانی جذبات اُس پر غالب آئے تھے۔ رجنی کی اس طرح بے بسی کی موت نے اُس کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ وہ جانتا تھا احمد کمال بیگ نے اپنا قریباً سارا سرمایہ جرمنی منتقل کر دیا تھا اور اب وہ رجنی سے شادی کر کے وہیں جرمنی میں بسنے کا پروگرام بنا چکا تھا۔

ابھی اگلے ہی روز دونوں باپ بیٹا اُسے ملے تھے۔ اُنہوں نے رجنی کے لیے مسلمان عورت کے نام سے پاسپورٹ حاصل کرنے کے انتظامات بھی کر لیے تھے اور دیزہ سے ہی یہاں سے فرار ہو جانے کا پروگرام بنا لیا تھا۔

اُسے اپنے انجام کی تو فکر نہیں تھی۔ ایسے کسی بھی سانحے کے لیے وہ ذہنی طور پر ایک لمبے عرصے سے تیاری کرتا آ رہا تھا؛ لیکن احمد کمال بیگ کے خواب اس طرح اچانک ٹوٹ جائیں گے ——؟ یہ سوچ ہی اُسے رُلا دینے کے لیے کافی تھی! پھر وہ رُما سے مخاطب ہُوا:

"رُما! میں نے کتنی مرتبہ چاہا کہ تمہیں اپنی اصلیت بتا کر تمہاری دُنیا سے نکل جاؤں لیکن حالات نے مجھے کبھی اپنی مرضی سے کچھ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا —— تم نے سُنا وہ سچ ہے۔ میں جانتا ہوں کہ نادانستگی میں تمہارے ساتھ میں نے بہت بڑا ظلم کیا ہے —— بے انصافی کی ہے لیکن میرے بس میں کچھ نہیں تھا۔ رُما بسا اوقات واقعی انسان تقدیر کے ہاتھوں میں موم کی گڑیا بن کر رہ جاتا ہے۔ تم سے مل کر —— تمہیں پا کر میں خود کو انسانیت کے کسی بڑے اعلیٰ درجے پر فائز کوئی شخصیت جاننے لگا تھا۔ تم نے میری زندگی اتنی بھرپور کر دی تھی کہ مجھے کبھی مستقبل کی ہولناکیاں جاننے

کا وقت ہی نہ ملا —— میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ کسی روز یوں اچانک یہ الوژن اس طرح ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ میں یہ کبھی نہیں کہوں گا رُما کہ میں تم سے شرمندہ ہوں، کیونکہ انسان جس سے محبت کرے اُس کے سامنے شرمندگی کا اظہار نہیں کیا جاتا —— پھر بھی تم مجھے جو بھی سزا دو اُسے پانے کے لیے تیار ہوں" —— یہ اُس نے رُما کو پُرسکون دیکھ کر کہا۔

جواب میں رُما کچھ کہے بغیر اُس کے سینے سے سر ٹکا کر سسکنے لگی۔ پھر اچانک وہ خاموش ہو گئی۔ اُس نے اپنا سر اُوپر اُٹھایا۔ خان کی آنکھوں میں جھانکا اور بولی:

"میں اپنا جیون تمہارے نام لگا چکی ہوں اُردون! اب میرا جینا اور مرنا تمہارے ہی ساتھ ہے۔ اگر تم مجھے چھوڑ کر بھاگنا چاہو تو بھی یاد رکھو: یہاں سے میری لاش ہی گھر واپس جائے گی۔ میں اپنے قدموں پر چل کر نہیں جاؤں گی اور ہاں ——" اُس نے ایک لمحے کے توقف سے دوبارہ کہا —— "یہ نہ سمجھ لینا میں نے مستقبل میں پیش آمدہ کسی بدنامی کے خوف سے تمہارے ساتھ مرنے اور جینے کا فیصلہ کیا ہے۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔ مجھے تم میں پہلے ہی روز کوئی غیر معمولی بات ضرور نظر آئی تھی اُردون —— میرا دل اول روز ہی سے گواہی دیتا آ رہا ہے کہ تم وہ نہیں جو نظر آتے ہو۔ میں نے کئی دفعہ تم سے یہ بات کہی بھی لیکن ....." وہ خاموش ہو گئی۔

اُس نے یہ بات اتنے مضبوط لہجے میں کہی تھی کہ خان ٹوٹ کر رہ گیا، اُسے اپنی شخصیت اس دھان پان لڑکی کے سامنے بالکل بودی محسوس ہونے لگی تھی۔ رُما آج اُس پر چھا گئی تھی۔

اُس نے رُما کو مستقبل کے تمام خدشات کا احساس دلایا، اُسے بتایا؛ کہ وہ کتنا اہم اور انقلابی فیصلہ کر رہی ہے —— وہ اپنا مذہب ہی نہیں اپنی ملت اور پہچان بھی خان کی خاطر بدلنے جا رہی تھی —— لیکن رُما کے پائے استقامت میں اُس کی طرف

Scanned by azamm@UrduFan.com

aazzamm@yahoo.com

سے بتائے گئے مستقبل کے خدشات کوئی لرزش پیدا نہ کر سکے ـــــ وہ تو مضبوط چٹان کی طرح ڈٹ کر کھڑی تھی۔

موسمی تغیرات جس کے آہنی عزائم سے سر ٹکرا کر دم توڑ دیا کرتے ہیں۔ اُس نے اپنے ضمیر کی عدالت میں رجنی کی موت کے فوراً بعد اپنا مقدمہ دائر کر دیا تھا اور وہاں سے کلیرنس سرٹیفکیٹ ملنے ہی پر اب وہ ایک فیصلے پر پہنچی تھی۔

"تو ٹھیک ہے میں تمہیں بھی سرحد پار کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں گا رما ـــــ اور پھر زندگی ہماری ہوگی۔ جہاں بھر کی خوشیاں تمہاری جھولی میں ڈال دوں گا۔ اگر تم نے میرے ساتھ ہی مرنے جینے کا پیمان باندھا ہے تو یہ تمہارا اکیلا فیصلہ نہیں رما میں بھی اس میں تمہارا ساتھی ہوں۔ اتنی ہی شدت سے میں بھی تمہارے اس فیصلے میں شامل ہوں۔"

رما نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر اپنا سر اُس کے فراخ سینے میں سمیٹ لیا۔

○

خان سوچنے لگا: یہ اُس کی کتنی خوش قسمتی تھی کہ کیپٹن سلوچنا نے جب اُس کی ایک جھلک دیکھ لی تھی تو اُسی لمحے اُس نے اُس کا تعاقب نہ کیا۔ وہ کبھی بھی اُن لوگوں کے ہاتھوں بچ کر نہ نکل سکتا۔ رما نے اُسے رجنی کی موت تک دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ بتا دیا تھا۔ خان نے جان لیا تھا کہ رجنی نے مرتے دم تک اُس کے متعلق اپنی ایجنسی کو اندھیرے میں رکھا ہے اُس نے آخری لمحات میں بھی سلوچنا کو ڈاج کیا تھا کہ ارون کمار جہاز کے ذریعے دہلی سے روانہ ہو چکا ہے۔ لیکن یہ بھی ناممکن تھا کہ سلوچنا نے اس کے متعلق کوئی اہم نوٹ اپنی روانگی پر وہاں نہ چھوڑا ہو۔ یہ زمین اب اُس پر تنگ ہو چکی تھی۔

خان سمجھ سکتا تھا کہ اُن لوگوں نے اب تک تمام اہم مقامات پر ناکے لگا دیئے

ہوں گے ـــــ!!

آج کی رات اُس نے دہلی ہی میں بسر کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن یہ رات کہاں کاٹی جائے۔ اُس نے جب یہ مسئلہ رما کے سامنے رکھا تو رما نے اُس کا حل بھی نکال دیا۔

"میری ایک آرٹسٹ دوست ہے یہاں۔ ابھی دس پندرہ روز پہلے ہی وہ بنگال سے آئی ہے۔ بہت آزاد خیال ہے اپنے فلیٹ میں اکیلی رہتی ہے۔ کسی کو علم نہیں اُس کی اور میری دوستی کا۔ ایک ایگزیبیشن پر ہمارا تعارف ہوا تھا۔ میرا خیال ہے اگر میں تمہیں اپنے دوست کی حیثیت سے وہاں لے جاؤں تو وہ بخوشی ہمیں رات بسر کرنے کی اجازت دے دے گی۔

خان نے کُرید کُرید کر اُس سے اُس کی بنگالی آرٹسٹ دوست مسز ٹیگور کے متعلق سوالات پوچھے پھر مطمئن ہو کر اُس کے فیصلے پر ہی صاد کر دیا۔

○

کناٹ پیلس سے وہ اندھیرا پھیلنے کے بعد باہر نکلے تھے۔ خان نے اپنی جیکٹ رما کو پہنا دی تھی اور خود اُس کی چادر اوڑھ لی تھی کہ اُس کا منہ بھی قدرے چھپا رہے۔ مسز ٹیگور کا فلیٹ دہلی کی ایک جدید طرز کی آبادی میں تھا۔ دونوں نے ٹیکسی کچھ دور ہی چھوڑ دی تھی اور اب پیدل ہی اُس کے فلیٹ کی طرف جا رہے تھے۔

مسز ٹیگور کہیں جانے کے لیے پر تول رہی تھی جب دونوں نے اچانک ہی اُس کے دروازے پر دستک دی! رما کو ایک مرد کے ساتھ دیکھ کر بنگالی آرٹسٹ لڑکی کی باچھیں کھل گئیں۔ اُس کی شکل دیکھ کر قطعاً اس بات کا احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ کبھی "مسز" رہی ہے۔

رما نے ارون کا تعارف اُس سے سری واس کے نام سے کروایا تھا۔ مسز ٹیگور خان کی توقعات سے زیادہ مہمان نواز ثابت ہوئی۔ اُس نے دونوں کے لیے کافی تیار کر دی اور

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے رما نے خان کی سمجھائی ہوئی کہانی اُس کے سامنے دُھرا دی۔

اُس نے مسز ٹیگور کو بتایا کہ دونوں نے ظالم سماج سے بھاگ کر سول میرج کرنے کا پروگرام بنایا ہے لیکن دونوں کے رشتہ دار اُن کی تلاش میں ہیں۔ فی الوقت انہیں دو تین روز چھُپ کر گزارنے ہوں گے۔ اس کے بعد ہی کوئی اگلا قدم اُٹھائیں گے۔

مسز ٹیگور نے پہلے تو اُن کے جذبہ محبت اور اُس عدیم المثال قربانی کو سراہا جو وہ ایک دوسرے کے لیے دینے جا رہے تھے پھر اُنہیں یقین دلایا کہ وہ ممکن حد تک اُن کا ساتھ دے گی اور دو تین دن تو کیا وہ اگر چاہیں تو اپنی ساری زندگی اُس کے فلیٹ میں گزار دیں۔

اُس نے رما کو بتایا کہ صبح اُسے ضروری کام سے پٹیالہ جانا ہے صرف دو روز کے لیے! اس دوران وہ اُن کے لیے گھر کا فریج بھر کر جائے گی۔ واپسی پر وہ دونوں کی ایک دوست سول جج کی عدالت میں پیش کر کے اُن کو رشتہ ازدواج میں منسلک کروا دے گی اور پولیس کی مکمل حفاظت بھی اُنہیں میسر آ جائے گی۔

دونوں نے اُس کے سامنے ہاتھ باندھتے ہوئے التجا کی تھی کہ فی الوقت وہ کسی سے بھول کر بھی اُن کا تذکرہ نہ کرے بلکہ یہ بھول ہی جائے کہ اُس کی غیر موجودگی میں کوئی اُس کے فلیٹ میں موجود ہے۔ رما نے اُسے بتایا تھا کہ سری واس کا ایک دوست میرٹھ میں بہت بڑا وکیل ہے۔ اُس نے تمام بندوبست کر رکھا ہے۔ ایک اہم کیس کے سلسلے میں وہ چندی گڑھ گیا ہوا ہے۔ دو تین روز میں واپس آ جائے گا اور وہ میرٹھ اُسی کے پاس جا کر سول میرج کریں گے۔

"سری واس جی کے کچھ خاندانی تنازعات ہیں ـــــ اور بھی مسائل ہیں۔ بس تم وہی کرنا جو میں کہہ رہی ہوں۔" رما نے اُسے سمجھایا۔

"اچھا بابا" ـــــ مسز ٹیگور نے کہا اور وہ کسی کام سے تھوڑی دیر بعد باہر چلی گئی۔

مسز ٹیگور کی واپسی رات دیر گئے ہوئی۔ شراب کے نشے سے اُس کے قدم ڈگمگا رہے تھے اور خان بخوبی اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ کس کام سے گئی ہو گی۔ دونوں نے سہارا دے کر اُسے بیڈ روم تک پہنچایا، مسز ٹیگور تو تھوڑی دیر بعد ہی سو گئی۔ لیکن وہ دونوں رات کافی دیر گئے تک جاگتے رہے۔

رما نے خود ہی اُس کے لیے دو تین مرتبہ چائے تیار کی تھی۔ دونوں کا دل کچھ کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا لیکن دونوں نے ہی ایک دوسرے کا دل رکھنے کیلئے چند لقمے آملیٹ کے ساتھ زہر مار کر لیے تھے۔ ڈرائنگ روم میں دونوں چلے آئے تھے۔ اُنہوں نے ٹی وی لگا لیا تھا اور خود کو بظاہر اُس میں محو بھی کیے ہوئے تھے لیکن دونوں ہی سمجھتے تھے کہ اُن کا دھیان ٹی وی کے بجائے اپنے اپنے مستقبل کی طرف ہے۔

○

جس علاقے میں اُن لوگوں نے پناہ لی تھی خوش قسمتی سے یہ وہ علاقہ تھا جہاں لوگ ایک دوسرے کے معاملات میں کم ہی مداخلت کیا کرتے تھے۔ وہ رات دونوں نے قریباً جاگ کر گزاری۔ خان نے اُس دوران دو مرتبہ اس فون سے کال بک کروائی لیکن مقامی ایکسچینج میں کوئی خرابی ہونے کی وجہ سے اُس کا رابطہ کسی بھی طرح اپنے "دوستوں" سے قائم نہ ہو سکا۔

سحر ہونے سے کچھ دیر پہلے اُس کی آنکھ لگ گئی اور وہ صبح دیر گئے تک سوتا رہا۔ رما نے اِس دوران جان بوجھ کر اُسے بیدار نہ کیا۔ شاید وہ اب اپنا دُکھ ہی خان کا دُکھ جاننے لگی تھی۔ ابھی تک نہ تو اُس نے خان سے اُس کا اصلی نام اور پہچان دریافت کی تھی۔ نہ ہی خان نے خود اُسے کچھ بتایا تھا۔ ایک مرتبہ جب اُس نے بین السطور میں ایسی کسی خواہش کا اظہار کیا تو خان نے اُسے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"رما ـــــ ابھی ایسی کوئی بات نہ کرو۔ وقت آنے پر تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے

Scanned by aazzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

گا۔ سب کچھ تم جان لوگی" اور رما خاموش ہو گئی تھی۔

جب رما نے ناشتہ تیار کرنے کے کافی دیر بعد اُسے بیدار کیا تو سورج بنگالی آرٹسٹ لڑکی کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ خاصا دن چڑھ آیا تھا۔ بستر سے چھلانگ لگا کر وہ اٹھا اور باتھ روم میں جا گھسا۔ جب وہ نہا دھو کر باہر نکلا تو خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ رما نے آج بھی اُس کے لیے وہی ناشتہ تیار کیا تھا جو وہ گھر میں اُس کے لیے تیار کیا کرتی تھی۔ اُس لمحے جب وہ خان کے سامنے ناشتے کی ٹرے رکھ رہی تھی نہ چاہتے ہوئے بھی بے اختیار اُس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ خان سے زیادہ اُس کے درد کو اور کون جان سکتا تھا۔ اُس نے پھر بھی رما سے کچھ نہ پوچھا۔ اُس کا جی چاہتا تھا کہ وہ جی بھر کے رولے تاکہ اس کا من کچھ تو ہلکا پڑ جائے۔

"شما کرنا"۔۔۔ کہہ کر رما باتھ روم میں چلی گئی۔

باتھ روم سے اُس کی واپسی تین چار منٹ بعد ہوئی۔ خان اس کے چہرے پر ٹوٹتے کرب کو دیکھ کر بخوبی اندازہ کر سکتا تھا کہ اُسے اپنی ہچکیوں کا گلہ گھونٹنے میں کیا کیا جتن خود سے نہ کرنے پڑے ہوں گے۔ رما نے اپنا چہرہ پانی سے دھو لیا تھا۔ آنسوؤں سے دھلے چہرے پہ زبردستی کی مسکراہٹ جمائے جب وہ خان کے سامنے آئی تو خان کو اپنے اندر کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اُس نے اپنے شعور کی تمام تر گہرائیوں کے ساتھ اُس لمحے رما کا دُکھ اپنا دُکھ جانا۔ ابھی تک اُس نے ناشتے کی طرف کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

رما نے اُس کے چہرے کی کیفیات سے بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ اُس کے درد نے اُس کے محبوب کو بھی دُکھی کر دیا ہے۔ اُس نے مسکراتے ہوئے خان کے لیے چائے بنائی اور پیالی خان کی طرف بڑھا دی۔ خان نے خاموشی سے پیالی تھام لی۔ دونوں نے ایک دوسرے کے لیے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ جمالی تھی۔

صبح پھر اُس نے چاہا کہ نون پر رابطہ قائم کرے۔ بعد از خرابیٔ بسیار دوسری طرف رابطہ قائم ہو گیا لیکن خان کو اُدھر سے اطلاع ملی کہ متعلقہ آدمی جن سے اُس نے بات کرنی ہے دو دن کی چھٹی پر گئے ہیں۔ اُسے اچھی طرح سمجھ آ گئی کہ ایسی ہنگامی صورتحال کی کوئی خاص منصوبہ بندی نہیں کی گئی تھی ـــــ شاید یہی اُن لوگوں کا کمزور ترین پہلو تھا۔

خان کو اندازہ ہو رہا تھا کہ اب زندگی اور موت کا یہ معرکہ اُسے اکیلے ہی لڑنا ہو گا۔ اُس نے اپنی پرواہ کبھی نہیں کی تھی لیکن رما کا ساتھ ـــــ ؟ کیا وہ رما کو اپنے ساتھ سرحد پار کروا کر پاکستان لے جا سکے گا ؟ اُس نے سوچا اور سہم کر رہ گیا۔

شام تک اُس نے ایک طویل خط اپنے غیر ملکی کوریڈریس ، کے لیے لکھا۔ دوپہر کو وہ تھوڑی دیر کے لیے بازار گیا تھا اور وہاں سے ڈاک کا لفافہ اور دوسری چیزیں خرید کر لے آیا تھا۔ شام کے بعد پھر وہ باہر نکلا اور وہ خط نزدیکی لیٹر بکس میں ڈال کر واپس آ گیا، اس دوران اُس نے رما کو فارغ نہیں بیٹھنے دیا تھا۔

○

اُس کے ذہن نے یہاں سے فرار کا منصوبہ تیار کر لیا تھا۔

اب وہ اُس منصوبے کے مطابق تیاری کر رہا تھا۔ بازار سے وہ کپڑا لے آیا تھا۔ اور شام تک رما نے مسز ٹیگور کے ہاں رکھی سلائی مشین پہ مقامی مسلمان عورتوں کے زیرِ استعمال رہنے والا برقعہ تیار کر لیا تھا۔

خان نے یہاں سے اُسے چھپا کر نکالنے کا قصد کیا تھا۔ اس بات کا اُسے بہرحال اطمینان تھا کہ دو دن تک دہلی سے باہر جانے والے راستوں کی کڑی نگرانی کرنے اور شہر میں مختلف مقامات پہ اُن دونوں کو تلاش کرنے کے بعد اب کم از کم انٹیلی جنس کو یہ دھوکہ ضرور ہو چکا ہو گا کہ وہ دونوں دہلی سے نکل چکے ہیں۔ اُس نے یہاں دو دن تک لو نہیں چھپنے کا فیصلہ نہیں کر لیا تھا۔ یہ بات اُس کے ذہن میں بہرحال موجود رہی تھی کہ

Scanned by aazzamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

اُنہیں قدرت نے یہاں چھپنے اور محفوظ رہنے کا موقعہ دیا ہے۔

شام ڈھلے مسز ٹیگور واپس آگئی ــــ!

اُس نے دونوں کی خیریت بڑے خوشگوار موڈ میں دریافت کی تھی۔ اُس کی آمد تک رُما نے برقعہ اپنے بیگ میں تہہ کر کے رکھ لیا تھا۔ مسز ٹیگور سفر سے خاصی تھک چکی تھی۔ اور اپنی تھکاوٹ دُور کرنے کے لیے اُس نے حسبِ عادت مے نوشی شروع کر دی تھی۔

خان نے یہی موقعہ غنیمت جانا اور رات کے اندھیرے ہی میں دہلی کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کر لیا۔ شراب کے نشے سے مدہوش مسز ٹیگور کو انہوں نے رسماً اپنی روانگی سے مطلع کیا۔ اور اُس کی ہزاروں نیک خواہشات اپنے جلو میں لیے باہر نکل آئے۔ مسز ٹیگور تو دونوں کو اسٹیشن تک چھوڑنے پر تُلی ہوئی تھی لیکن خان نے بدقت تمام اُسے منع کیا۔

دونوں نے رات دس بجے کے بعد وہاں سے نکلنے کا منصوبہ دوپہر کو ریلوے انکوائری سے مختلف گاڑیوں کا ٹائم ٹیبل دریافت کرنے کے بعد ہی طے کیا تھا۔ رات کے اس پہر دو تین گاڑیاں پنجاب کی طرف جاتی تھیں اور خان نے اُس سمت سے سرحد عبور کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُسے سرحدی علاقے کی الف بے کا بھی علم نہیں تھا۔ کیونکہ اس علاقے کی سرحد کے متعلق اُس نے نقشہ تو ضرور دیکھا تھا لیکن عملی طور پر کبھی اس طرح پنجاب یا کشمیر سرحد سے اُس نے سرحد عبور کرنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔

راجستھان سے متعلق اُسے کچھ معلومات ضرور تھیں لیکن وہ جانتا تھا کہ اس بات کا علم بھارتی انٹیلی جنس کو بھی ہے کہ وہ راجستھان کی سرحد سے تھوڑی بہت آشنائی رکھتا ہے۔ ایک تو ویسے ہی سرحدی علاقہ آجکل فوج سے پٹا پڑا تھا اُس پر مستزاد سیکورٹی کا وہ جال تھا جو اُن لوگوں نے اُس کے خیال کے مطابق اُس کے استقبال کے لیے تان رکھا ہوگا۔ وہ اکیلا ہوتا تو بھی کچھ بات تھی۔ لیکن اب تو حالات یکسر ہی

مختلف تھے۔

برقعہ رُما نے فلیٹ سے کچھ فاصلے پر پہنچتے ہی پہن لیا تھا۔

"اب یہ بھی بتا دیجئے "بیگم صاحبہ" کہ آپ کو کس نام سے مخاطب کروں؟" خان نے اُس کے کان میں سرگوشی کی! وہ چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح رُما کے ذہن پر پڑا سوچ کا بھاری پتھر ایک طرف کو ہٹ جائے۔

"کسی بھی نام سے۔" رُما بھی اُس کا دُکھ جانتی تھی مسکرا کر بولی۔

"پھر بھی کوئی ایک نام جو تمہیں اچھا لگتا ہو؟"

"ہاں ہے ایک۔ میری دوست تھی۔ الف۔ اے تک ہم اکٹھے ہی پڑھے تھے۔ شبنم۔ ہاں شبنم نام تھا اُس کا۔"

"ٹھیک ہے میں تمہیں شبنم ہی سمجھوں گا۔"

"ہاں اور ہمیشہ یہی سمجھنا۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ کے ضمیر پر میرے لیے کچھ بھی بوجھ رہے۔ میں نے یہ فیصلہ کسی دباؤ، بلیک میلنگ یا خوف سے نہیں کیا۔ میں نے اپنا مذہب چھوڑنے کا فیصلہ بڑی ایمانداری سے کیا ہے اور اس پر ہمیشہ قائم رہوں گی۔ اب آپ کو اس نام سے نہیں پکاروں گی۔ مجھے بھی کوئی نام بتا دیجئے۔"

اُس لمحے رُما کی ان باتوں نے خان کو بڑا حوصلہ دیا۔ اُس کے لہجے میں جھلکتے اعتماد نے خان کو یقین دلا دیا تھا کہ یہ آرٹسٹ دھان پان سی لڑکی اب اُس کی ذات ہی کا کوئی حصّہ بن کر رہ گئی ہے۔ اُس لمحے وہ بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ رُما کی قربانی نے جو وہ اُس کے لیے، اُس کی ملت اور مُلک کے لیے دینے جا رہی تھی۔ اُسے ایک بے نام سا احساسِ تفاخر بخشا تھا اور وہ خود کو واقعی اس جہان سے الگ تھلگ محسوس کرنے لگا تھا۔

Scanned by azzamm@UrduEanz.com

aazzamm@yahoo.com

لیکن ان سب باتوں کے باوجود اُس نے اپنی حیثیت کو نہیں بھلایا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک لمحے کے لیے بھی، لاشعوری طور پر بھی، اپنے پیشے کے تقدس سے کسی بھی غداری کا مرتکب ہو۔ اُس کی ٹریننگ کا اوّلین اصول بھی یہی تھا: "کہ دشمن کی سرزمین پر اُس نے کسی کو کبھی اپنا اصلی نام نہیں بتانا۔"

"مجھے بھی فی الوقت جس نام سے چاہو پکار لو ——" خان نے مسکرا کر اُس کی خواہش کو ٹالنا چاہا۔

"ٹھیک ہے میں آپ کو طاہر کہوں گی۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔"

دونوں ایک ٹیکسی کے ذریعے ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تھے۔ خان نے ٹیکسی سٹینڈ سے کچھ فاصلے پر ہی روک دی تھی۔ دو تین گلیاں گھومنے کے بعد اُس نے تھوڑی دیر بعد آنے والی "طوفان میل" کے درجہ دوم کی ٹکٹیں خرید لیں۔ دونوں ویٹنگ روم میں جا بیٹھے۔ ان تین چار دنوں میں اُس کی داڑھی نکل آئی تھی اور چہرے پر دوبارہ چشمہ جم گیا تھا جس نے اُس کی شناخت کو قدرے بدل بھی دیا تھا۔

اُس نے لدھیانہ کے ٹکٹ خریدے تھے لیکن راستے ہی میں اُتر جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ٹریننگ کلاس روم میں لٹکا بھارتی سرحدی علاقے کا بڑا سا نقشہ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ اُس کو یاد آ گیا: "کہ پنجاب اور کشمیر کے سنگم پر سرحد پر بے شمار ندی نالے، ٹیلے اور جنگلی گھاس کا لامتناہی سلسلہ موجود ہے۔ اس کی آڑ میں وہ لوگ کچھ آسانی تلاش کر سکتے تھے۔" یہی جان کر اُس نے دل ہی دل میں وہی علاقہ سرحد عبور کرنے کے لیے منتخب کر لیا تھا۔

ابھی تک اُس نے رما کو اپنے کسی فیصلے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ رما بھی اب حالات کو خاصا سمجھنے اور جاننے لگی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اُس کے محبوب کے علاوہ بھی خان کا اِس

زمین سے کوئی اور رشتہ بھی ہے اور خان اُس رشتے سے کبھی دستبردار نہیں ہوگا۔

گاڑی اب متعلقہ پلیٹ فارم پر آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ خان نے اپنی مقامی اسلامی اقدار کو ملحوظِ نظر رکھا تھا اور وہ شبنم کو ایک زنانہ ڈبے میں بٹھا کر خود اُس سے ملحقہ ڈبے میں آن بیٹھا تھا۔ گاڑی دیکھتے ہی دیکھتے مسافروں کے بوجھ سے دوہری ہونے لگی تھی۔

جالندھر تک وہ ہر اسٹیشن پر اُتر کر ساتھ والے زنانے ڈبے کی کھڑکی سے لگی شبنم کے احوال جانتا رہا۔ ہر اسٹیشن پر اُتر کر وہ چند منٹ ہی کے لیے سہی شبنم کو بہت سی کربناک سوچوں سے نجات بخش دیتا تھا۔ اُس نے ہر اسٹیشن پر اُس سے مستقبل کی خوبصورت باتیں کی تھیں۔ اُسے اپنے والدین گھر بار کے متعلق بہت سی باتیں بتائی تھیں۔ اُس نے شبنم سے کہا تھا کہ اُس کی اِس عظیم قربانی پر اُس کی زمین پر بسنے والا ہر نفس اُسے نذرِ عقیدت گزارے گا۔

شبنم کو جالندھر ریلوے اسٹیشن تک وہ مستقبل کے سہانے خوابوں سے بہلاتا ہوا آیا تھا۔ رات نے اپنی بساط لپیٹنی شروع کر دی تھی جب وہ گاڑی سے اُترے۔ خان کی ہدایت کے مطابق شبنم نے گاڑی کے ڈبے ہی میں برقعے سے نجات حاصل کر لی تھی۔ یہاں سے اُنہیں سکھوں کے بھیس میں سفر کرنا تھا۔ اُس نے بھی دہلی میں خریدی ہوئی پگڑی جسے اب تک اُس نے راجستھانی مسلمانوں کے سے انداز میں باندھ رکھا تھا۔ اب سکھوں کی پگڑی کی شکل میں باندھ لیا تھا۔

شبنم نے نہ چاہتے ہوئے بھی خان کے اصرار پر ماتھے پر بندی سجا لی تھی۔ اُس نے برقعہ گاڑی ہی میں چھوڑ دیا تھا اور مقامی عورتوں کی طرح اَب ساڑھی پر چادر اوڑھ لی تھی۔

نیند گو کہ دونوں کے نزدیک بھی نہیں پھٹکی تھی لیکن شبنم کی آنکھوں سے جھلکتی صبح کی سُرخی نے خان کو مبہوت کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ سُرخ سُرخ ڈورے جو نیند پوری نہ کرنے کی وجہ سے

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

اُس کی آنکھوں میں بسیرا کر چکے تھے۔ بادامی آنکھوں کے سحر کو دوچند کر رہے تھے خان نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا اور رُعبِ حُسن سے تائب ہو کر نظریں ہٹالیں:

اُسے یوں لگا جیسے کچھ دیر اور اگر وہ اِن آنکھوں میں جھانکتا رہا تو پتھر کا ہو جائے گا۔!

○

ویٹنگ روم بالکل خالی تھا۔ دونوں وہیں آن بیٹھے اور اَب صبح کا انتظار کر رہے تھے ـــــ ویٹنگ روم کے بلب کی دم توڑتی روشنی میں ایک مرتبہ پھر اُس نے شبنم کی طرف دیکھا۔ پوری واقعیت سے اُس کے حُسن کو محسوس کیا اور مبہوت سا اُس پر ٹکٹکی باندھ کر اُس کے سامنے بیٹھ رہا۔ بالکل ایسے ہی جیسے وہ محبت کی دیوی زہرہ کے سامنے سر جھکائے بیٹھا ہو۔

اُس لمحے جب وہ جالندھر ریلوے اسٹیشن کے دوسرے درجے کے ویٹنگ روم میں اِس بادامی آنکھوں والی آرٹسٹ لڑکی کے سامنے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا تو جیسے مُستقبل کے سارے وسوسے سارے اندیشے اور حال کی تمام تلخیاں دم توڑ کر رہ گئی تھیں۔ وہ خود کو اس ویٹنگ روم سے باہر کسی مرغزار میں حُسن کی اس دیوی کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر گھومتے ہوئے محسوس کر رہا تھا۔ اُسے وہ طلسماتی اور پریوں کی کہانیاں یاد آنے لگی تھیں جو اِس کو بچپن میں میٹھی نیند سُلانے کے لیے اُس کی ماں سُنایا کرتی تھی۔

اس ساحرہ کی آنکھوں میں ہلکورے لیتی قیامتوں میں ڈوبتا اُبھرتا جانے کب تک وہ خواب زاروں کے بھولے بھٹکے جزیروں میں اُس کے سنگ سنگ بادلوں کے دوش پر اُڑتا رہا۔ رات اُس کے ساتھ ساتھ سفر کرتی اَب دِن کے پہلو میں اُترنے کے لیے پَر تول رہی تھی۔ اُس لمحے جب صبح کی پہلی کرن نے خان کے دِل کے دروازے

پر دستک دی اور اسٹیشن کے نزدیکی کسی گردوارے سے پُرسوز آوازوں نے مِل کر کوئی بھجن الاپنا شروع کیا تو اُسے یوں لگا جیسے وہ خود بھی سُر کے کسی گہرے ساگر میں بہنے لگا ہو ـــ تمام کومل اور تیور سروں کے راگ اِس زہرہ گداز کٹورا آنکھوں والی لڑکی کے بدن سے پھوٹنے لگے تھے۔

نور کے ایک ہالے نے اپنا نام بدلنے کے بعد سے اُسکے چہرے پر مُستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور اُس کے ملکوتی حُسن کا گداز اور گہرا ہو چلا تھا۔

سورج کی چمکتی کرنوں کے ساتھ ہی خان نے ایک الاؤ سا اپنے ہونٹوں پر دہکتا محسوس کیا۔ شبنم کی آنکھوں کا سحر جیسے اَب اپنے جوبن پر آ چُکا تھا اور خان کے لیے سوائے ان آنکھوں کے سحر کو تسلیم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں رہا تھا ـــــ!!

عقیدت اور محبت کے ملے جُلے جذبے کے ساتھ وہ مبہوت سا اپنی جگہ سے اُٹھا۔ کسی سحر زدہ معمول کی طرح اُس نے دو تین قدم شبنم کی طرف بڑھائے اور اُسے انتہائی قریب آ کر یوں کھوئی کھوئی حسرت ناک نگاہوں سے دیکھنے لگا کہ جیسے ابھی کوئی اُس کی شبنم کو اُس سے چھین کر لے جائے گا ـــــ!

شبنم مبہوت سی اپنی جگہ بیٹھی رہی ـــــ!!

دونوں نے وہیں ویٹنگ روم میں چائے پی اور باہر نکل آئے۔ ایک سائیکل رکشہ میں تھوڑی دیر بعد وہ نزدیکی لاری اڈّے کی طرف جا رہے تھے۔ خان نے احتیاطاً ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس خرید لیا تھا اور اب بادی النظر میں یہی دکھائی دے رہا تھا جیسے یہ نوبیاہتا جوڑا اپنے کسی عزیز کے ہاں جا رہا ہے۔

پٹھانکوٹ کے دو ٹکٹ اُس نے خریدے اور ایک ڈی لکس بس میں بیٹھ گیا۔ دوپہر کے بعد تک بس نے اُنہیں پٹھانکوٹ پہنچا دیا۔ دونوں نے لاری اڈّے ہی میں موجود ایک ویشنو ڈھابے پر کھانا کھایا۔ خان نے اس کے ساتھ شام ڈھلنے تک کا وقت

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

دانستہ پٹھانکوٹ کے بازاروں میں گھوم پھر کر گزارا۔ اِس دوران اُس نے محسوس کیا کہ شبنم نے کچھ چادریں اور ساڑھیاں اپنے پاس موجود پیسوں سے خرید لی تھیں۔

جلد ہی اُسے سمجھ آ گئی کہ یہ سب کچھ وہ خان کی ماں اور بہن کے لیے خرید رہی ہے مشرقی لڑکیوں کی وہ روایتی اقدار جو اُن کے کردار کا خاصہ ہوتی ہیں کو اس لڑکی نے جی جان سے اپنا رکھا تھا۔

"بے چاری لڑکی ——" خان نے دِل ہی دِل میں سوچا "جانے کتنے ارمان دِل میں بسائے وہ یہاں سے رُخصت ہو رہی تھی۔ کتنا یقین تھا اُسے بحافظت خان کے مُلک اور گھر تک پہنچ جانے کا۔!

اُسے اب شبنم پہ پیار کے ساتھ رحم بھی آنے لگا تھا۔!!

شام ڈھلنے کے بعد وہ ایک بس کے ذریعے کھٹوعہ جا رہے تھے۔ کھٹوعہ تک وہ شبنم کو سمجھاتا آیا تھا کہ اُسے کس طرح چلنا ہوگا؟ کیسے سرحد عبور کرنا ہوگی؟ —— اُس نے دانست میں شبنم کو خاصا دلیر بنا دیا تھا جبکہ رُما سے شبنم بننے کے بعد اُس کی ذات میں جو ایک بھرپور اعتماد آ گیا تھا اُس کا شاید خان کو مطلق احساس ہی نہ ہو سکا۔ وہ نہ جان سکا کہ شبنم اَب اُس کی طفل تسلیوں سے بالکل بے نیاز ہو چکی ہے —— وہ تو خود کو اُس پر نچھاور کر دینے کا عزم لے کر اُس کے سنگ سنگ چل رہی تھی۔ اُس نے تو اپنی ذات کی نفی تب ہی کر دی تھی جب اُس نے اپنا سماج، دھرم چھوڑ کر اُس کی ہو جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اَب اُس کی اپنی ذات، اپنی پہچان کوئی رہی ہی نہیں تھی۔ اَب اُس کا جو کچھ بھی تھا، یہی عابد خان تھا جسے وہ جانے کتنی مرتبہ طاہر کہہ کر مخاطب کر چکی تھی۔

○

کھٹوعہ پہنچنے تک رات ہو چکی تھی ——!!

دونوں کھٹوعہ چیک پوسٹ سے پہلے ہی اُتر گئے۔ خان آگے آگے نکل بہ نکھہ نے اندازے سے سمت کا تعین کیا اور مغرب کی طرف سڑک سے نیچے اُترنے لگا۔ شبنم اُس کے تعاقب میں تھی۔ نزدیک کوئی گاؤں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تھوڑی دُور کچے راستے پر چلنے کے بعد خان نے شبنم سے اٹیچی کیس لے کر ایک ندی میں پھینک دیا۔ اُس میں موجود چادریں شبنم نے پہلے ہی اپنے گلے میں لٹکتے بیگ میں مُنتقل کر لی تھیں۔

بیگ خان نے پکڑ کر اپنی پیٹھ پر باندھ لیا تھا۔ چلتے چلتے کبھی کبھی مُڑ کر وہ شبنم کی طرف دیکھ لیتا تھا —— اور شبنم کو جیسے اندازہ ہو جاتا تھا کہ اَب خان نے اُس کی طرف دیکھنا ہے کیونکہ ہر دفعہ اُس نے اُسے مُسکراتے ہی پایا۔

اُس لمحے جب محبت کی وادی پُرخار کے یہ دو مسافر موت کی شاہراہ پر ایک دوسرے کے سنگ سنگ چل رہے تھے خان نے ایک پُراسرار سا تقدس، طمانیت اور بھرپور اعتماد شبنم کے چہرے پر جھلکتا دیکھ لیا تھا۔ وہ بالکل مطمئن تھی —— خان کو شدت سے اُس لمحے شبنم کے کمرے میں اُس کے ہاتھ سے بنی ہوئی اُس لڑکی کی پینٹنگ یاد آ گئی جو سمندر کے کنارے لہروں کے دوش پر بالکل خاموش اور پُرسکون کھڑی تھی! اپنے سینے میں سارے سمندر کا تلاطم دبائے آج یہ لڑکی بھی بالکل شانت اور مطمئن موت کے سفر پر اُس کے ہمرکاب تھی۔

آسمان بالکل صاف تھا اور خان کے سر پر راہنمائی کے لیے تمام ستارے موجود تھے۔ اُس کو بخوبی یہ احساس تھا کہ کون اُس کا ہمراہی ہے اور یہ راستہ جو بظاہر بہت آسان دکھائی پڑتا تھا —— کتنا مُشکل تھا۔

دونوں ابھی بمُشکل آدھ گھنٹہ ہی چل پائے تھے جب خان کی جہاندیدہ نظروں نے اپنے داہنی طرف سے اُٹھنے والی معمولی سی روشنی کو دیکھ کر اندازہ کر لیا۔ اُس کے چلتے قدم ساکت ہو گئے۔ شبنم بھی ٹھٹھک کر رُک گئی۔ اُس نے تربیت کے مطابق اپنے

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

دانستہ بھانک درمیان ایک خاص فاصلہ برقرار رکھا تھا اور اُسے ہدایت دے چکا تھا کہ کس طرح اُسے چلنا ہے اور خطرہ محسوس ہونے پر کس طرح خان کو متوجہ کرنا ہے۔

شبنم اُس کے نزدیک پہنچ گئی تھی ـــــ!!

"شاید فوج ہے اِس طرف" ـــــ خان نے سرگوشی کی اور اُس کا ہاتھ تھام کر مخالف سمت میں چلنا شروع کر دیا۔

اُس نے دائیں طرف سے اُٹھنے والے طوفان سے بچنے کے لیے کم از کم دو میل لمبا چکر کاٹا تھا اور اندازہ کر سکتا تھا کہ شبنم کتنا تھک چکی ہوگی لیکن کیا مجال جو اُس نے ایک لفظ بھی مُنہ سے نکالا ہو۔ اِس دوران دو تین مرتبہ رُک کر خان نے اُسے نزدیک آنے کا موقعہ بھی دیا تھا اور اُس کی خیریت دریافت کر چکا تھا۔ اُس نے اپنے ہاتھ سے شبنم کے انکار کے باوجود اَب تک دو مرتبہ اُس کے مُنہ میں گلے کی خراش دُور کرنے کے لیے میٹھے ڈراپس ڈالے تھے۔

ابھی وہ لوگ اِس سمت میں ایک گھنٹہ ہی چل پائے تھے جب دوبارہ زمین نے عابد خان کے پاؤں پکڑ لیے۔ اِس مرتبہ دائیں بائیں اطراف سے روشنیاں اُس کی سمت بڑھ رہی تھی۔ اُس نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر شبنم کا ہاتھ پکڑ کر بھاگنا شروع کر دیا ـــــ یہ احساس اُسے فوراً ہو گیا تھا کہ دونوں بدقسمتی سے گھیرے میں آچکے ہیں۔

عین اُن لمحات میں جب اُس نے شبنم کا ہاتھ تھام کر دوڑ لگائی تھی شبنم نے ایک ستارہ اپنے سر پر ٹوٹتا محسوس کیا۔ اُس کا دل ہی تو دہل کر رہ گیا۔ ابھی اُنہوں نے ایک آدھ فرلانگ کا راستہ ہی طے کیا تھا کہ اچانک روشنی کا ایسا ہی طوفان اُن کے سامنے اُٹھا۔

خان کے قدم وہیں جم کر رہ گئے ـــــ!!

شبنم کا بازو پکڑے پکڑے وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ اُس لمحے اُس نے خوف کے

سائے شبنم کی آنکھوں میں لہراتے دیکھ لیے تھے۔ خوفزدہ ہرنی کی طرح اُس کی آنکھیں سارے چہرے پر پھیل گئی تھیں اور خان سوچ رہا تھا کہ ان آنکھوں کی جوت کب تک جلے گی؟

اُسے اپنی طرف اِس طرح دیکھتے ہوئے پا کر شبنم پھر زبردستی مسکرا دی۔ حالات کی سنگینی کا احساس اُس کے لاشعور نے اُسے بخوبی دلا دیا تھا۔

"گھبرانا نہیں ـــــ مجھے بوجھ نہ سمجھنا۔ تمہیں میری قسم ہے طاہر! اگر مجھے چھوڑ کر زندگی بچ سکے تو نکل جانا" ـــــ شبنم کے مُنہ سے نکلے اِن الفاظ نے اُسے کاٹ کر رکھ دیا۔

"آؤ چلیں" ـــــ خان نے سرگوشی کی۔

وہ یہاں رُک کر بے بس پرندوں کی طرح مرنا نہیں چاہتا تھا۔ مرنے سے پہلے زندگی کے لیے ایک آخری کوشش ہی اُس کی تربیت کا بہترین اصول تھی۔ فی الوقت اُس نے ایک نزدیکی کھیت کو چھپنے کے لیے تاکا تھا۔ شبنم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے وہ اُس کھیت میں گھستا چلا گیا ـــــ اچانک ہی وہ پھر رُک گیا۔

"کھیت میں خاردار تار ـــــ مائینز (بارودی سُرنگیں)"

اُس کے ذہن نے اُسے جھنجوڑا۔ خان فوراً واپس پلٹا تاکہ دوسرے کھیت کا رُخ کرے پھر باہر قدموں کی آواز نے اُسے شبنم سمیت وہیں زمین بوس ہونے پر مجبور کر دیا۔ شاید کوئی پیٹرول پارٹی اِس طرف آنکلی تھی ـــــ!!

اُس نے دو تین منٹ اِسی طرح لیٹے رہنے کے بعد اِس اُمید پر کہ اَب وہ پیٹرول پارٹی آگے نکل چکی ہوگی۔ وہاں سے اُٹھنے کا فیصلہ کر لیا۔ دونوں دوبارہ بڑی احتیاط سے پاؤں دھرتے کھیت سے باہر نکل رہے تھے ـــــ!! جیسے ہی وہ کھیت سے برآمد ہوئے اچانک ہی شبنم کا پاؤں رپٹ گیا ـــــ تکلیف کی شدت سے اُس کے مُنہ سے "ہائے"

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

نکلی۔

"ہالٹ"۔۔۔۔ ایک للکار گونجی۔

گھبراہٹ میں شبنم نے اپنا سر اُوپر کیا اور سامنے سے ہالٹ کی آواز کے ساتھ ہی فائر کی ہوئی گولی اُس کے خوبصورت ماتھے میں جا گھسی۔ وہ تڑپ کر دوبارہ زمین پر گر پڑی!!

خان نے صورتِ حال کی سنگینی کا احساس ہوتے ہی اُس کی طرف جست لگائی اور اُس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اُسے اپنا دِل پہلو سے نکلتا محسوس ہوا۔ گولی شبنم کے سر میں لگی تھی اور خون ایک لمحے میں اُس کے سارے چہرے پر پھیل گیا تھا۔

"طاہر"۔۔۔ اُس نے خان کے کچھ کہنے سے پہلے بمشکل کہا ۔۔۔ "مجھے کلمہ پڑھاؤ"

"عابد۔۔۔" "ہاں شبنم عابد نام ہے میرا ۔۔۔ لا الٰہ ۔۔۔۔۔" اُس نے شبنم کو کلمہ پڑھانا شروع کر دیا۔ شبنم نے کلمہ بدقت تمام شدید فائرنگ کی آوازوں میں پڑھا تھا۔

اُن کے چاروں طرف انگارے تڑپ رہے تھے لیکن خان اس ماحول سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ اُس نے بے اختیار جھک کر اُس کا سر اپنے زانوں پر رکھ لیا۔ تکلیف کی ناقابلِ بیان اذیت کے باوجود شبنم کے چہرے پر ایک مقدس مسکراہٹ نے احاطہ کر لیا تھا۔

"عابد۔۔۔۔ مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ شما کر دینا۔ میری وجہ سے ۔۔۔۔"

عین اُن لمحات میں اُسے عابد خان کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے اپنے چہرے پر گرتے محسوس ہوئے۔ ایک مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر پھیلتی چلی گئی پھر یہ مسکراہٹ امر ہو گئی۔ اُس کی گردن اچانک ایک طرف ڈھلک گئی۔

خان دیوانہ وار اُسے جھنجھوڑنے لگا۔ اُسے یوں لگا جیسے باہر فضا میں تڑپنے والی تمام گولیاں اُس کے دِل میں گھس گئی ہوں۔

اُس کی تمام حسیات مر چکی تھیں۔ اِرد گرد ہونے والی فائرنگ کی آوازوں کو موت

چکی تھی۔

اُس کے کانوں میں آندھیوں کے جھکڑ چلنے لگے تھے۔ حلق میں اچانک ایک تیز کڑواہٹ گھس آئی تھی۔ ایک زہر سا اُس کے سانسوں میں پھیل رہا تھا۔ پھر اُسے یوں لگا جیسے یہ کڑواہٹ اُس کی رگ رگ میں پھیلتی چلی جا رہی ہو۔ یہ کیفیت کچھ دیر کے بعد ختم ہونے لگی۔ اُسے جلدی احساس ہونے لگا:

کہ۔۔۔ زمانہ مر گئی ہے۔ وہ آرٹسٹ لڑکی جس کی اُنگلیاں زندگی کا حسن تخلیق کرتی تھیں۔ اُس کے برش، رنگ، کینوس، سب ہی کچھ تو اُس کے چاروں طرف بکھر گیا تھا۔ کسی ڈوگرہ سپاہی کی سٹین گن سے نکلی گولی نے خدا کی ودیعت کردہ ایک حسین زندگی کو چاٹ لیا تھا۔

۔۔۔ اِس خوبصورت لڑکی نے جسے دہلی کی ایگزیبیشن میں پہلا انعام ملا تھا جس کی تصویروں کو مسز ٹیگور نے "لافانی شاہکار" کہا تھا۔ جس نے زندگی کے خوبصورت ترین رنگ وقت کی کینوس پر بکھیرے تھے۔ بڑی آسانی سے بغیر کوئی احتجاج کیے جان دے دی تھی۔۔۔!!

اُس نے ہمالیہ کی برفیلی چوٹیوں کے پس منظر میں خدائے رقص سے زندگی کی دکھشا مانگتی پاروتی بنائی تھی۔ اُس کی بنائی ہوئی پاروتی نے زندگی کی ترشنا کے لیے امرت مانگا تھا۔ اُس کی تصویر میں رقص کرتی پاروتی نے زندگی کے زہر کو رقص میں رچا لیا تھا۔

خان نے اُس "شاہکار" کو دیکھ کر کہا تھا ۔۔۔ "رما یہ زندگی کا زہر ہے۔ زندگی امرت کبھی نہیں ہوتی۔"

تب آرٹسٹ لڑکی نے مسکرا کر کہا تھا ۔۔۔ "آپ اب بھی یہ بات سوچتے ہیں۔ مجھے پانے کے بعد بھی۔"

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

پھر اُس کی آنکھیں اچانک ہی چھلکنے لگیں۔ اُس کے گرداگرد سرسراتی ہوا نے سسکیاں بھرنی شروع کر دی تھیں۔ رات کا اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا اور زندگی اِس گھور اندھیرے میں ڈوبتی چلی جا رہی تھی۔

تب کسی نامحسوس عمل کے تابع وہ انتہائی درد اور صدمے کی کیفیت میں جُھکا اور اُس کے ہونٹ شبنم کے خون سے رنگے ماتھے پر جم گئے۔

اُس کی شبنم نے تپش کا ایک جھونکا بھی تو برداشت نہیں کیا تھا ——!!

کتنی آسانی سے وہ بکھر گئی تھی ——!!

Scanned by azamm@UrduFanz.com

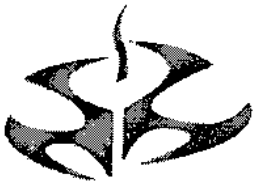

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

شہید کا پیام

پسلیوں پر لگنے والی ایک زوردار ٹھوکر نے اُسے شبنم سے الگ کیا اور —— سرحدی پوسٹ سے پٹھانکوٹ چھاؤنی تک کا سفر اُس نے عالمِ بے خودی میں طے کیا۔

—— اِس دوران اُن لوگوں نے وحشیوں کی طرح اُسے پیٹ ڈالا: وہ بار بار اُس سے ایک ہی سوال کر رہے تھے۔ وہ کون ہے؟

یہ لڑکی جو مر گئی وہ کون تھی؟

خان اُن کے سوالات پر مار کھاتے کھاتے کبھی سوال کرنے والے کی طرف دیکھ لیتا اور بس —— چھاؤنی میں ساری رات اُسے بیدردی سے پیٹنے کے بعد وہ لوگ کام کی صرف ایک ہی بات جان سکے تھے: "کہ جس شخص کو اُنہوں نے گرفتار کیا ہے اُس کا نام خان ہے —— صرف خان!"

ہفتہ بھر اپنے سارے گُر آزمانے کے بعد آرمی والوں نے اُسے سول انٹیلی جنس کو سونپ دیا۔ اِس دوران گو کہ اُس نے ہر ممکنہ اور انسانی اختیار میں موجود جسمانی عذاب برداشت کیا تھا —— لیکن وہ مطمئن تھا۔ اِس اذیت ناکی کے لیے وہ ذہنی طور پر ایک لمبے عرصے سے تیاری کر رہا تھا ——!! لیکن —— جس روحانی کرب نے اُسے اِس دوران گھیرے رکھا اُس کا ایک ایک لمحہ عابد خان پر قیامت بن کر ٹوٹ رہا تھا۔

○

aazzamm@yahoo.com

آرمی انٹیلی جنس سے سول انٹیلی جنس تک کا سفر بڑا طویل اور جان لیوا تھا۔ سچّی بات تو یہ کہ پہلے پندرہ بیس روز کی مار ہی نے اُسے اب جسمانی اذیّتوں سے بے نیاز کر دیا تھا؛ اُس کے جسم پر کوئی ایک انچ جگہ بھی ایسی نہیں بچی تھی جسے اُن لوگوں نے نہ نوچ ڈالا ہو۔

آٹھ مہینے تک اُسے بھارت کے قریباً ہر بڑے تفتیشی مرکز میں لے جایا گیا، لیکن ہر جگہ وہ ناقابلِ تسخیر اور چیلنج بنا رہا۔ بڑے بڑے نامور تفتیشی افسران نے اُسے چیلنج جان کر قبول کیا لیکن آخر اپنی ہار مان کر بیٹھ رہے۔

آٹھ مہینے بعد بالآخر اُسے جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا گیا۔ جیل میں اُسے ہر ممکن جسمانی اور ذہنی عذاب دیا گیا ـــــ لیکن اُس کا عزم ناقابلِ تسخیر رہا! جیل میں پہنچنے تک اُس پر ایک اور بڑی قیامت ٹوٹ چکی تھی:

پاکستان دولخت ہونے کا سانحہ اُسے توڑ چکا تھا! جس روز اُس نے بھارت کے ایک تفتیشی مرکز میں یہ خبر ایک انٹیلی جنس افسر کی زبانی سُنی تو وہ چکرا کر رہ گیا، لیکن اُس نے افسر کی بات پر یقین نہیں کیا تھا۔ پھر اُس کا حوصلہ توڑنے کے لیے اُسے ریڈیو کے ذریعے پاکستان اور دُنیا کے دوسرے بڑے ریڈیو سٹیشنوں سے بھی یہ خبر سُنائی گئی۔

یہ سانحہ بھی اُس نے خود پر جھیلا لیکن اُس کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آسکی۔ اُس نے کبھی بھارتی سیکورٹی کو خوش ہونے کا موقع نہ دیا۔

جیل میں آکر اُسکی جسمانی حالت کو قدرے سکون ملا تھا ـــــ اُسے جیل کے سب سے خطرناک احاطے پھانسی کوٹھڑیوں میں خطرناک قیدی جان کر رکھا گیا تھا۔ لیکن پولیس کے برعکس جیل کے عملے اور وہاں موجود قیدیوں نے اُس کی بہادری کو خراجِ تحسین پیش کیا اور انٹیلی جنس کی ہدایات کے بالکل برعکس اُسے ہر ممکن سہولت بہم پہنچائی۔

انٹیلی جنس والوں نے آخر میں اُس سے پھانسی کا ڈرامہ بھی کھیلا لیکن وہ بھی ناکام رہا۔ عابد خان کا لکھا ہوا آخری اور طویل خط اُس کے ہیڈ کوارٹر کو موصول ہو چکا تھا۔

اُس کی اس طرح گرفتاری نے بہت سے دلوں کو خون کے آنسو رُلایا۔ اس کے ساتھ ہی وہ لوگ اُس کی لمبی تفتیش پر بھی کُڑھتے رہے۔ دراصل ذہنی طور پر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے سانحے نے بھی ان لوگوں کو روحانی موت سے دوچار کر رکھا تھا۔

○

خان کے انسٹرکٹر نے اُسے اس دوران ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھلایا تھا۔ وہ اُس گھڑی کا بہرحال منتظر تھا؛ جب عابد خان کو جیل میں لایا جاتا اور وہاں سے اُسے عدالت میں پیش کیا جاتا۔

اُس کی ریٹائرمنٹ میں بمشکل تین چار ماہ باقی تھے جب اُسے یہ خوشخبری بھی مل گئی ـــــ وہ اپنے دل پر موجود ایک بھاری بوجھ کو ہٹانے کے لیے خان کی گرفتاری کے فوراً بعد ہی ایک منصوبہ اُسے فرار کروانے کا اپنے اعلیٰ حکام کو پیش کر چکا تھا۔

اُس کی مساعی رنگ لائیں بالآخر اُس کے منصوبے پر صاد کر دیا گیا اور ایک روز جب خان اپنی تاریخ بھگتنے پٹھانکوٹ کچہری جا رہا تھا تو اُسے ایک خفیہ پیغام تیار رہنے کا مل گیا: "اُس کے فرار کے لیے ـــــ بالآخر اُس کی چوتھی تاریخ پیشی مقرر کی گئی تھی۔"

○

اُس پیشی پر جب وہ عدالت میں پہنچا تو نگرانی کے لیے حسبِ معمول پولیس کا ایک حوالدار اور ایک سپاہی اُس کے ساتھ موجود تھے۔ تاریخ بھگتنے کے بعد جب وہ لوگ احاطہ کچہری سے باہر آرہے تھے تو اچانک ہی ایک سکھ پولیس والوں سے ٹکرا گیا۔ اُسے اس "بیچارے مسلمان قیدی" پر بہت ترس آرہا تھا۔ یہ منوہر لال تھا۔ خان نے پہچان لیا۔

پولیس گارد والے ایسے "خدا خوفی" کرنے والوں کے منتظر ہوا کرتے تھے۔ یہ لوگ عموماً کچہریوں میں غیر ملکی قیدیوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور اُن کی کچھ نقد امداد بھی کر

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

دیا کرتے تھے۔ اِن لوگوں کی وجہ سے گاردوالوں کو بھی مُفت کی روٹی کھانے کو مل جاتی تھی ورنہ تو اُنہیں دوپہر کا کھانا بھی اپنی جیب سے کھانا پڑتا تھا۔ جو اُن کے اصولوں کے بالکل ہی خلاف تھا۔

"آیئے آپ کو کھانا کھلائیں"۔۔۔ اُس سکھ نے پولیس والوں کو آفر دی اور وہ فوراً مان گئے۔

"مَیں بھی اُدھر قید رہا ہوں۔ میری بھی لوگ اسی طرح مدد کیا کرتے تھے۔ مہاراج جی! کچھ بھی ہو۔ مَیں تو اِن لوگوں کا احسان کبھی نہیں بُھلا سکتا۔" اُس نے ایک غیر آباد سے ہوٹل کے کیبن میں اُن لوگوں کو بٹھاتے ہوئے کہا۔

کھانا آنے تک سکھ نے اپنی دھوتی کی "ڈب" سے ایک بوتل بھی نکال لی تھی۔ اور ہوٹل کے گلاسوں ہی میں چار آدھے آدھے گلاس تیار کر کے سامنے رکھ لیے تھے۔ کیبن کا ہارڈ بورڈ کا بنا دروازہ بند تھا۔ ملازم اُن کے سامنے کھانا رکھ کر چلا گیا تھا۔ دونوں گارد کے مُلازم شراب کا پیگ ایک گھونٹ میں ہی ڈکار گئے تھے جبکہ سکھ اور خان نے صرف گلاسوں کو چھونے پر ہی اکتفا کیا۔

شراب اُن کے معدے میں پہنچنے کی دیر تھی جب دونوں کو خان نے نیم مُردہ سے ہو کر وہیں میز پر گرتے دیکھا۔ اُنہیں آواز نکالنے کی مہلت نہیں مِل سکی تھی۔ اُن کے ڈھیر ہوتے ہی سکھ نے بڑی پھرتی سے اپنی جیب سے ایک پلاس نکالا اور مُشکل ایک ڈیڑھ منٹ بعد ہی خان کی ہتھکڑی اور بیڑیاں کٹ کر زمین پر گر پڑی تھیں۔

دوسرے سمت والی ہارڈ بورڈ کی دیوار اُس نے اتنی پھرتی اور تیزی سے اُکھاڑی تھی کہ خود خان بھی حیران رہ گیا۔

"چلو"۔۔۔ اُس نے خان کا بازو پکڑا۔

دونوں دس منٹ بعد وہاں سے غائب ہو چکے تھے اور جب تک ہوٹل والوں کو

بے ہوش سپاہیوں کا سُراغ ملتا دونوں پٹھانکوٹ سے نکل چکے تھے۔

○

دونوں منوہر لال ہی کی بنائی ہوئی ایک "آرام گاہ" میں فروکش تھے۔

منوہر لال کو خان کی کہانی نہیں بتائی گئی تھی لیکن وہ اس کے کارناموں سے بخوبی آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ خان نے کتنی ہی مرتبہ اپنی جان پر کھیل کر بہت اہم راز اِس لیے حاصل کیے تھے کہ اُس کا پاکستان سلامت رہے۔ اُس نے منوہر لال کو بتایا تھا کہ اُس کا وجود سارے پاکستان پر پھیلا ہُوا ہے۔۔۔! آج وہ دو ٹکڑے ہو چکا تھا۔۔۔!!

منوہر لال محسوس کر سکتا تھا کہ عابد خان جو بظاہر زندہ نظر آ رہا ہے۔۔۔ دراصل اندر سے مر چکا ہے۔!!

دوسری طرف خان بھی اُس کا دُکھ جان گیا تھا۔ اُس نے اِس پناہ گاہ میں تین روز گزارنے کے بعد یہ محسوس کر لیا تھا کہ پاکستان کے دولخت ہونے کے سانحے نے منوہر لال کی رگوں سے خون نچوڑ کر اُسے نیم مردہ کر دیا ہے۔۔۔!!

منوہر لال نے اُسے یہاں اس لیے رکھا ہُوا تھا کہ خان کم از کم جسمانی طور پر سفر کے قابل ہو جائے۔۔۔!! لیکن خان کے لیے اَب یہاں ایک ایک سانس بوجھل ہو رہی تھی۔۔۔!

اُسے اِس زمین پر ہر طرف شبنم کے مقدّس خون کی مہک محسوس ہو رہی تھی۔!

وہ زہر باد جسے اُس نے جیل میں اپنے اندر دبائے رکھا تھا اب پھوٹ پڑا تھا اور خان کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوتا تھا۔

شبنم مر کر اُس کے اندر زندہ ہو گئی تھی۔

اُس روز جب منوہر لال اُس کے سامنے بھارت کا نقشہ پھیلائے سرحد عبور کرنے سے متعلق گفتگو کر رہا تھا تو خان کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس لمحے اُڑ کر اس نقشے پر پھیلی

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

تمام لکیریں پھلانگ جائے۔

"منوہرلال! میں زندہ تو اب بھی نہیں ہوں۔ لیکن ایک ہی خواہش ہے دل میں کہ آخری سانس اپنی زمین پر نکلے!"

"چپ کرو خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ تم تو مجھے بھی مار ڈالو گے۔ میرے دوست میں مر گیا تو اور بات ہے اپنی زندگی میں انشاء اللہ تمہیں اپنے وطن تک ضرور پہنچاؤں گا۔ اور ہاں ـــــ اب کے بعد مجھے منوہرلال کبھی نہ کہنا۔ اب جب ہم آخری مرتبہ مل رہے ہیں تو مجھے اپنے چہرے سے نقاب اُتار دینے دو ـــــ" میرا نام شاہد ہے ـــــ شاہد علی ـــــ"

"شاہد میرے دوست! کیا منہ لے کر جاؤں گا اب پاکستان میں ـــــ میرے پاس زندہ رہنے کا اب کیا ڈھکوسلا باقی رہ گیا ہے ـــــ کچھ بھی تو نہیں۔ مجھ سے تو سب ہی کچھ چھن گیا ہے ـــــ اور پھر اب مقصد ہی کیا رہ گیا ہے زندگی میں ـــــ جس کام کو آئے تھے وہ تو کر نہ سکے۔!"

"نہیں عابد ـــــ" شاہد علی نے تڑپ کر اُس کی بات کاٹ دی ـــــ "خدا کی قسم تم نے اپنا کام مکمل اور بساط سے بڑھ کر کیا ـــــ خیر چھوڑو ان باتوں کو ـــــ ہم نے ابھی تک تمہارے دوست کمار کو اپنے قبضے میں رکھا ہے ـــــ خاصا کام کا آدمی ہے۔ تین چار بڑے اچھے کام کر دیئے ہیں۔ اس مرتبہ اُس نے بضد ہو کر کہا تھا کہ پنڈت جی سے ملاقات ضرور ہونی چاہیئے ـــــ اور میرے خیال سے اس مرتبہ اُس سے ملاقات کر ہی لیں ـــــ عابد خان ہم نے سرحد کمار کی مدد سے اور راجستھان سیکٹر سے عبور کرنی ہے ـــــ" اُس نے گفتگو کا رُخ حقائق کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی" ـــــ عابد خان نے کہہ کر خاموشی اختیار کر لی۔

تیسرے روز جب دونوں اُس محفوظ پناہ گاہ سے نکل کر الوہر کی طرف جا رہے تھے۔ تو خود خان کو اپنی شکل شیشے میں دیکھ کر عابد خان ہونے کا یقین نہیں ہو رہا تھا ـــــ اُس کا حلیہ شاہد نے اس کامیابی سے بدلا تھا کہ خود وہ چکرا کر رہ گیا تھا۔

الوہر تک کا سفر اُنہوں نے پسنجر ٹرین سے کیا اور بحفاظت وہاں تک پہنچ گئے۔ خان کو ایک مرتبہ پھر تمام بھولی بسری کہانیاں یاد آ گئی تھیں۔ اُس نے اس سرحدی علاقے میں زندگی اور موت کا جو طویل معرکہ لڑا تھا اُس کی ایک ایک تفصیل زندہ ہو کر اُس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔

وہ ـــــ سوچنے لگا آج پھر اُس محاذ پر وہ زندگی سے دو دو ہاتھ کرنے جا رہا ہے۔ کیا آج بھی نتیجہ اس کی ہو گی؟ ـــــ اس خیال سے ـــــ اُسے ایک مرتبہ تو جھرجھری سی آ گئی۔

شاہد علی نے سکھ کا روپ دھار رکھا تھا اور پال سنگھ کے نام سے اُس کے ہمرکاب تھا۔ اُس نے روانگی سے پہلے ہی ایک لوڈڈ پستول اُس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ دونوں اسٹیشن کے باہر بنے ایک چائے کے سٹال پر بیٹھے تھے۔

"میرا خیال ہے اب چلنا چاہیئے" ـــــ خان نے چائے کا خالی کپ رکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ہاں! ہاں ضرور" ـــــ پال سنگھ بھی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

لاری اڈے تک کا سفر اُنہوں نے آبادی سے بچ بچا کر ہی طے کیا تھا اور راستے میں کسی بھی چیکنگ پوسٹ سے اُن کا واسطہ نہیں پڑا تھا۔ مکسر کی طرف جانے والی لاری کے چلنے میں ابھی پندرہ بیس منٹ باقی تھے اور بھارت میں پندرہ بیس منٹوں کا مطلب خان بخوبی سمجھ چکا تھا! وہ جانتا تھا جب تک لاری مکمل ٹک نہ ہو جائے چلے گی نہیں۔ اس لیے دو ٹکٹ خرید کر دونوں ٹکٹنگ والی کھڑکی کے بالکل سامنے چائے کے ایک

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

کھوکھے میں آن بیٹھے تھے۔

خان کو اصولی طور پر اس وقت کھانا کھانا چاہیئے تھا لیکن اُس کی تو بھوک کبھی کی ختم ہو چکی تھی۔ اُس کے ساتھی کا بھی یہی عالم تھا لیکن خان نے احتیاطاً چائے کے ساتھ کچھ اُبلے ہوئے انڈے منگوا لیے تھے۔ دونوں نے زبردستی چائے کے ساتھ انڈے زہر مار کیے تھے۔

بس روانہ ہونے سے بمشکل دو تین منٹ پہلے ہی وہ اُس میں سوار ہوئے۔ اس دوران خان نے اُس گول آنکھوں اور کلین شیو والے درمیانی عمر کے ہندو کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ جو اُن کے برابر والی سیٹ کے ایک کونے میں آ کر بیٹھا تھا۔ خان نے جان بوجھ کر پال سنگھ کو کھڑکی کی طرف بٹھا دیا تھا۔ اور خود سیٹ کے کونے پر بیٹھا تھا تاکہ کلین شیو والے کو پال سنگھ سے گفتگو کا موقعہ ہی نہ مل سکے اور اگر اُس کی "حس سیکورٹی" پھڑکنے بھی لگے تو خان خود اُسے مطمئن کر دے ـــــ ایک مرتبہ پھر وہ اپنے جوبن پر لوٹ آیا تھا۔

"کیا شبھ نام ہے آپ کا؟" ـــــ بس چلنے کے بمشکل پانچ چھ منٹ بعد ہی اُس سیکورٹی والے ہندو نے اُس سے سوال داغ دیا۔

"شریمان جی! کیا میں شکل سے پاگل لگتا ہوں؟" خان نے اُس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اُلٹا سوال داغ کر اُسے بوکھلا دیا۔

"مم میں سمجھا نہیں" ـــــ سیکورٹی والا واقعی بوکھلا گیا تھا کیونکہ خان نے یہ بات اتنے زور سے کہی تھی کہ اُس کے ساتھ والی تین چار سواریاں بھی چونکے بغیر نہ رہ سکیں۔ وہ سب مسکراتے ہوئے خان اور سیکورٹی والے کو گھور رہے تھے اور سیکورٹی والا ہندو لالہ خوامخواہ خود کو شرمندہ محسوس کر رہا تھا۔ بالآخر وہ سنبھل گیا۔

"آپ تو بُرا مان گئے۔" اُس نے سنبھالا لے کر خان سے بڑی شائستگی سے کہا۔ "میں

نے سوچا سفر کاٹنے کے لیے کسی سے باتیں ہی کرتا جاؤں۔"

"پچھلے ایک ہفتے سے دس انٹرویو دے چکا ہوں۔ ہر کوئی یہی سوال پوچھتا ہے۔ پھر دوسرے سوال اور آخر میں "شما کیجیے ہمارے پاس کوئی جگہ آپ کے لائق نہیں" کہہ کر چلتا کر دیتا ہے۔ میرا تو مہاراج جی! اب یہ جی چاہتا ہے کہ ایسا سوال پوچھنے والے کا گلہ ہی گھونٹ دوں۔" یہ فقرہ اُس نے ہندو لالہ کی طرف جھکتے ہوئے بڑی آہستگی سے کہا۔

اُس کا انداز گفتگو ایسا ہی تھا کہ وہ سیکورٹی والے کو حالات سے بری طرح فرسٹریٹڈ نظر آیا۔ اُسے اب لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ خان اُسے سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

"اب یہی دیکھ لو۔ کل ایک کلرک کی آسامی کے لیے درخواست گزاری تھی اور آج دہلی سے مکسر جا رہا ہوں۔ معلوم ہوا ہے کہ بھرتی کرنے والے افسر کی سالی یہاں ہے۔ اُس کی بیوی کا ایک رشتہ دار ڈھونڈا ہے۔ سالا! دیکھوں گا اپنی بیوی کا حکم کیسے ٹالے گا۔"

خان بولتا چلا گیا۔ سیکورٹی والے کو اُس سے جان چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔

اُس نے اپنی گفتگو میں دو چار اور سواریوں کو بھی شامل کر لیا تھا۔ پھر وہ سب تو آپس میں بحث کرنے اور حکومت کو باجماعت گالیاں دینے میں مصروف ہو گئے اور خان منہ پھلا کر سامنے دیکھنے لگا۔ سیکورٹی والے کو دوسرے لوگوں سے جان چھڑانا مشکل ہو رہا تھا۔

پال سنگھ بظاہر تو اس گفتگو سے بالکل لاتعلق کھڑکی سے باہر اندھیرے کی چادر میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن درحقیقت اُس کے کان اُسی طرف لگے ہوئے تھے۔ اس صورت حال سے وہ خاصا محظوظ ہو رہا تھا اور دل ہی دل میں خان کو اب تک کئی مرتبہ داد دے چکا تھا۔ اُس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ واقعی اُس کا ساتھی کوئی غیر معمولی صلاحیت کا مالک ہے۔

خدا جانے سیکورٹی والے نے جانا کہاں تھا لیکن مکسر شہر میں لاری داخل ہونے سے بہت پہلے ہی وہ ایک گاؤں کے نزدیک اُتر گیا۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"ونڈرفل" خان کا ساتھی زیرِلب مسکرایا۔

"شکریہ" ــــ خان نے اُس کی داد قبول کرتے ہوئے کہا۔

○

مکسر بس سٹاپ سے پہلے ہی دونوں اُتر گئے۔ وہ کسی مزید تفتیش کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا اور یہ ناممکن تھا کہ اُن کے استقبال کے لیے لاری اڈے پر کوئی موجود نہ ہو۔ جب سے لدھیانہ میں گفتگو کے بعد اُسے "پال سنگھ" کی زبانی حالات کی سنگینی کا احساس ہُوا تھا وہ حد سے زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔

اس علاقے میں ایک لمبی لڑائی حالات سے لڑنے کے بعد اُسے کم از کم اِس بات کا علم ضرور ہو گیا تھا کہ کون سے راستوں پر عموماً فوج زیادہ تر مورچہ بند رہتی تھی۔ اُسے اپنی "نیوی گیشن" پر مکمل اعتماد تھا۔ راستے ہاتھ کی لکیروں کی طرح اُس کی آنکھوں کے سامنے پھیلتے چلے گئے تھے۔ وہ ایک مرتبہ جس راستے سے گزر جاتا ناممکن تھا کہ دوبارہ اُسے بھلا سکتا۔ اُس نے بلا کی قوتِ اندازہ پائی تھی۔

رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا جب وہ پال سنگھ کو ٹیوب ویل کے نزدیکی کھیت میں چھپا کر خود اُس دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ اُس نے اِس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ کمرے میں کوئی موجود ہے لیکن وہ کون ہے؟ اِس کا اندازہ ابھی اُسے نہیں تھا۔

دستک دینے کا انداز خاصا شریفانہ تھا۔ اندر موجود شخص نے دروازہ کھولنے سے پہلے لالٹین روشن کرنا ضروری سمجھا تھا۔ دروازہ کھلنے پر اُس نے خدا کا شکر گزار ہو کر اُس کا سامنا کمار ہی سے ہوا تھا۔ اتنی رات گئے کُمار اچانک پنڈت جی مہاراج کو سامنے دیکھ کر پہلے تو گڑبڑا گیا تھا لیکن جلد ہی وہ کھِل اٹھا۔

"مہاراج جی!" کہہ کر وہ بے اختیار خان سے لپٹ گیا ــــ "آپ نے تو داس

کو بھلا ہی دیا تھا۔ کوئی خیر خبر ہی نہ دی۔"

"ہم کسی دوست کو نہیں بھلایا کرتے کُمار جی! یورپ سے جیسے ہی واپس آئے ملنے آ گئے۔"

"میرا سوبھاگیہ ہے مہاراج" اُس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے دروازہ کھولا۔

پانچ منٹ بعد ہی خان اُس کا تعارف ایک بڑے سمگلر کی حیثیت سے "پال سنگھ" سے کروا چکا تھا۔ خان نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ سردار جی لاکھوں روپے کی ہُنڈی لے کر سرحد پار جائیں گے اور اُدھر سے مال اِدھر آئے گا۔ "سردار جی" کو وہ تعارف کے بعد وہیں لے آیا تھا۔ خان نے احتیاطاً سو سو کے پانچ نوٹ کُمار کو آتے ہی تھما دیئے تھے۔ کیونکہ سردار جی نے ابھی اُن کے ساتھ کچھ وقت گزارنا تھا۔

کُمار کی مٹھی گرم ہو چکی تھی۔ نوٹ خان کی مٹھی سے کُمار کی جیب میں اور کُمار کا دِل خان کی مٹھی میں آ چکا تھا۔ وہ تو اُسی لمحے سردار صاحب کی سیوا کے لیے کچھ "جل بھوجن" کا بندوبست کرنے جا رہا تھا لیکن خان نے منع کر دیا۔ اُس نے کُمار سے کہا تھا کہ وہ اِن دونوں کی آمد سے کسی کو گاؤں میں مطلع بھی نہ کرے۔ کُمار کے بستر کی چادر اُس نے زمین پر بچھی خشک گھاس پر بچھا لی اور دونوں اُس پر لیٹ گئے۔

رات کے آخری پہر دونوں کی چند منٹ کے لیے آنکھ لگ گئی لیکن پو پھٹنے سے پہلے ہی وہ بیدار ہو گئے۔ کُمار ابھی تک گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا۔ خان نے اُسے جگایا اور کُمار تھوڑی ہی دیر بعد اُن کے لیے گھر سے بڑا تگڑا ناشتہ بنا کر لے آیا۔ شاید عمل کی زبانی اِس بات کا علم خان کو ہو چکا تھا کہ وہ ابوہر کے تمام سرحدی علاقے سے بخوبی واقف ہے۔ خان جان سکتا تھا کہ یہ واقفیت کس نوعیت کی ہو گی۔ کچھ بھی تھا اُسے کُمار سے ایک اہم کام لینا تھا۔ گو کہ اُس کے ساتھی پہلے بھی اُس کے حوالے سے کُمار سے کام لے چکے تھے لیکن آج کی مہم بہت اہم تھی۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

انہوں نے اپنے سفر کا آغاز علی الصباح ہی کیا۔ دونوں کمار کی سہراہی میں ابوہر کے ایک نواحی قصبے "گیدڑ بہا" پہنچ چکے تھے۔ اسی علاقے کو کمار نے سرحد عبور کروانے کے لیے منتخب کیا تھا۔ جب وہ دونوں کو شہر سے دیہاتی علاقے کی طرف لے جا رہا تھا تو دونوں محسوس کر رہے تھے کہ ان کا واسطہ ایک انتہائی محتاط اور ہوشیار آدمی سے ہے۔ دوسری طرف کمار یہ سوچ رہا تھا کہ وہ پنڈت جی کے سامنے آج اپنی مکمل صلاحیتوں کا مظاہرہ ضرور کر کے دکھائے گا۔

وہ دونوں کو ایک سرحدی گاؤں میں لے آیا تھا ـــــ جس گھر میں انہوں نے قیام کیا تھا وہ کمار کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق اس کی بہن کا گھر تھا۔ دونوں کو اپنے ساتھ لے کر مکان کی چھت پر آ گیا تھا۔ اس گھر کی چھت سے انگلی کے اشارے سے وہ دونوں کو پاکستانی سرحد دکھا رہا تھا۔ سرحد یہاں سے دو ڈھائی فرلانگ دور تھی۔ خان نے اسے سمجھایا تھا کہ اس نے "پال سنگھ" کو سرحد پار لے جانا ہے جہاں سے پال سنگھ نے تو آگے نکل جانا تھا لیکن کمار نے مال کا نمونہ لے کر واپس آ جانا تھا۔ اس ڈرامے کو منطقی انجام تک پہنچانے کا پورا بندوبست دوسری طرف موجود تھا۔ جیسے ہی پال سنگھ سرحد پار پہنچ کر اپنی آمد کی اطلاع کرتا۔ سمگلروں کے بھیس میں موجود اس کے ساتھی کمار کے لیے افیون کا بندوبست کر دیتے۔

اس طرح سمگلنگ کا یہ ڈرامہ حقیقت کا روپ دھار جاتا۔

○

اس گاؤں میں وہ دوپہر ڈھلنے کے بعد پہنچے تھے۔ کمار کی بہن شاید پہلے سے تربیت یافتہ تھی اور کمار کے مہمانوں کو بھی پہلے سے جانتی تھی۔ اس کا رویہ بالکل اجنبیوں والا نہیں تھا اور وہ اپنے کام کی خاصی ماہر نظر آتی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کمار کی بہن

کا گھر کمار کا کوئی خفیہ اڈہ تھا۔ خان نے احتیاطاً اسے بچوں کی مٹھائی کے لیے دو سو روپے دیئے تھے جس کے بعد سے رکمنی کا رویہ پہلے سے بھی زیادہ شریفانہ اور ہمدردانہ ہو گیا تھا۔

"پنڈت جی! آج سے دو ڈھائی سال پہلے میں نے یہاں بہت کام کیا ہے۔ وہ سامنے والی پوسٹ ہے ناں!" اس نے انگلی سے گاؤں کے باہر بنی بارڈر سیکورٹی فورس کی ایک پوسٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کے بمشکل پچاس گز دور سے ہم مال اٹھا کر لایا کرتے تھے۔ جب سے اوتار سنگھ کو گولی لگی میرا تو اس طرف آنے کو جی نہیں چاہتا تھا لیکن آپ نے تو مہاراج مجھے پھر سے جوان کر دیا ہے۔"

"کمار جی! ہم تمہاری قسمت بنا دیں گے ـــــ تمہارے سارے خواب پورے ہو جائیں گے" ـــــ خان نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دی۔

"میرے خیال سے پہلے پہر سرحد عبور کریں گے۔" کمار نے تجویز پیش کی۔

"ٹھیک ہے۔" خان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

رکمنی نے ان کے لیے بڑا پر تکلف کھانا تیار کیا تھا لیکن کمار کے سوا کسی نے بھی کھانا رغبت سے نہیں کھایا تھا۔ اس بات کا تو کمار کو علم ہی تھا کہ پنڈت جی مہاراج ویشنو ہیں اور ان کو سبزی دال کے علاوہ اور کوئی چیز پیش نہیں کی جا سکتی۔

گاؤں پر شام ڈھلنے کے ساتھ ہی نحوست منڈلانے لگی تھی۔ مشرق کی سمت سے ہلکی ہلکی ہوا کے جھونکے اس طرف آ رہے تھے ـــــ گو کہ ہوا چلنے سے ٹھنڈک میں اضافہ ہو گیا تھا لیکن خان کو ایک عجیب سی طمانیت کا احساس ہو رہا تھا۔ یہ ہوائیں اس کے ملک سے اس سمت کو آ رہی تھیں۔ وہ بڑا موڈ ہو کر ان ہواؤں کے دامن سے لپٹی ان یادوں کا استقبال کر رہا تھا جو اسے کشاں کشاں اپنے ماضی کی طرف کھینچے لے جا رہی تھیں۔ اسے

Scanned by azamm@UrduEanz.com

aazzamm@yahoo.com

اپنا وطن، اپنا شہر اور پھر اپنا گھر یاد آگیا اُسے یاد آگیا کہ وہ کسی ماں کا اکلوتا بیٹا ہے۔ تین بہنوں کا اکیلا بھائی۔ جانے اُس کی ماں اور بہنیں کس حال میں ہوں گی؟ باپ تو بچپن ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ اب وہی تو تھا اُن کا خدا کے سوا روئے زمین پر واحد سہارا، اور آج وہ اُنہیں بے سہارا چھوڑ کر یہاں زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہا تھا۔

لیکن نہیں ـــــ اُس نے سوچا۔ اُس زمین پر جس کو چھُو کر یہ ہوائیں اُس تک پہنچ رہی ہیں۔ ایسی کروڑوں مائیں اور بہنیں اور بھی تو موجود ہیں۔ اُن سے بھی تو اُس کا کوئی رشتہ ہے؟ اِسی رشتے کے تقدس کی لاج رکھنے کے لیے تو وہ یہاں آیا تھا۔ اُس نے سوچا شاہد علی بھی تو کسی ایسی ہی ماں کا بیٹا، کسی ایسی ہی بہن کا بھائی ہو گا۔ وہ بھی تو کسی کے جگر کے ٹکڑے ہوں گے جن سے اُس کی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ جانے وہ کب سے اپنے پیاروں کو اکیلا چھوڑ کر یہاں اپنی پہچان بدل کر اپنے وطن کے لیے جی رہے تھے۔

(۵)

رات کا پہلا پہر تھا۔ جب تینوں اپنے گھر سے باہر نکلے۔

گاؤں پر سکوت طاری تھا۔ یہ بھی خدا کا شکر تھا کہ یہاں کُتے نہیں تھے۔ ورنہ اُن کے لیے اور مصیبت پیدا ہو جاتی۔ ریوالور خان نے اپنا پاس رکھا ہُوا تھا۔ وہ دونوں کے پیچھے کچھ فاصلہ رکھ کر چل رہا تھا۔ سب سے آگے کُمار تھا اور اُس کے پیچھے پال سنگھ۔ دونوں نے یہاں سے سرحد تک کا راستہ گویا حفظ کر لیا تھا۔ کُمار نے اُنہیں ارد گرد کی تفصیلات اتنی توجہ سے سنائی تھیں کہ اب دونوں اُس کی مدد کے بغیر بھی یہ ڈھائی فرلانگ کا فاصلہ طے کر سکتے تھے۔ لیکن اِس ڈرامے میں مرکزی کردار چونکہ کُمار ہی نے ادا کرنا تھا اِس لیے اُس کا ساتھ رکھنا بھی ضروری تھا۔

کُمار بظاہر اتنا لاپرواہی سے چلا جا رہا تھا جیسے بین الاقوامی سرحد کے بجائے میں العرباؤ

سرحد عبور کرنے جا رہا ہو۔ گاؤں سے قریبی کھیتوں تک کا فاصلہ بخیر و خوبی کٹ گیا تھا۔ کھیتوں میں وہ پھُونک پھُونک کر قدم دھرتے ہوئے منزل کی جانب گامزن تھے کہ اچانک ہی فضا "ہالٹ" ـــ "ہالٹ" کی آوازوں سے دہل گئی۔

تینوں کھیتوں کے سرکنڈوں کے سلسلے میں داخل ہو رہے تھے۔ خان کی چھٹی حس نے فوراً ہی احساس دلا دیا تھا کہ وہ کسی "ناکے" میں پھنس گئے ہیں۔ ایسے "ناکے" عموماً سرحدی محافظ سمگلروں یا جاسوسوں کی متوقع آمد کی اطلاعات کے پیشِ نظر لگایا کرتے تھے۔ خان کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ سرحد کتنی زیادہ مصروف رہتی ہے؟ وہ لوگ تو سب کچھ اندازے سے کر رہے تھے۔

کُمار اور شاہد علی دونوں اچانک ہی واپس پلٹے تھے۔ خان کے ہاتھ کی انگلی ریوالور کے ٹریگر پر جم کر رہ گئی۔ اِس سے پہلے کہ وہ اگلا کوئی قدم اُٹھاتا اچانک ہی "تڑتڑ" کی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ شاید "ناکے" والوں نے احساس کر لیا تھا کہ اُن کے شکار بھاگنے کی فکر میں ہیں۔ اُس نے کُمار کو گھوم کر گرتے دیکھا اِس کے ساتھ ہی اُس کی چیخ بلند ہوئی۔ اُسے تین چار گولیاں اکٹھی ہی لگی تھیں۔ یہ بات کسی معجزے سے کم نہیں تھی کہ "پال سنگھ" ابھی تک محفوظ تھا۔

اِس سے پہلے کہ وہ بوکھلا کر کوئی اور قدم اُٹھائے خان اپنی جگہ سے اُچھلا اور اُس پر آن پڑا، کیونکہ دوسری طرف سے اندھا دُھند فائرنگ ہو رہی تھی اور اگر شاہد علی کو خان زمین پر گرانے میں چند لمحات کی بھی تاخیر کر دیتا تو یہاں ایک کی بجائے دو لاشیں پڑی ہوتیں ـــــ اس بات کا تو اُسے یقین تھا کہ کُمار مر چکا ہے کیونکہ ایک چیخ کے بعد اُس کا زندہ بچ رہنا ناممکن تھا۔

"ہوش کرو" ـــــ خان نے اُس کو گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔ اور شاہد علی کے حواس واقعی اِس وارننگ سے واپس لوٹ آئے۔

Scanned by azamm@UrduFans.com

aazzamm@yahoo.com

"میرے پیچھے پیچھے آؤ" خان نے اُسے گھسیٹتے ہوئے کہا۔

دونوں کہنیوں کے بل رینگ رہے تھے جب خان سے بمشکل چند گز کے فاصلے پر ٹارچ روشن ہوئی۔ ٹارچ روشن کرنے والے اور خان، دونوں کی اُنگلیاں ایک ساتھ حرکت میں آئی تھیں۔ اُدھر ٹارچ روشن ہوئی اور اِدھر اُس کے ریوالور نے شعلہ اُگلا۔ گولی ٹارچ کے شیشے کو توڑتی ہوئی ٹارچ بردار کو لگی تھی کیونکہ اُس نے بڑی زوردار آواز میں "ہائے" کہا تھا۔

اس کے ساتھ ہی اُسے بھاگتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اُن کے نزدیک موجود "ناکہ بردار" اچانک ہی بوکھلا گئے تھے خان جانتا تھا کہ اب کم از کم کوئی اُن کے نزدیک آنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ وہ لوگ یا تو اُنہیں گھیرے میں لے کر مارنے کی کوشش کریں گے یا پھر گرفتار کرنے کی! اُس نے گردن موڑ کر شاہد علی کی طرف دیکھا اور اُسے اشارہ کر کے کہنیوں ہی کے بل واپس گھسٹنا شروع کر دیا۔ یہی عمل جواب میں شاہد علی نے دُہرایا۔

کمار کے بے حس و حرکت جسم کے پاس وہ ایک لمحے کے لیے رُکا۔ خان نے اُس کی نبضیں ٹٹولیں پھر دِل کی دھڑکنیں سُننا چاہیں لیکن اُس کا "دوست" مر چکا تھا۔ شاید قدرت نے اُن کے لیے اُس سے اتنا ہی کام لینا تھا۔

خان کے دِل میں اُس کے لیے ہمدردی کے جذبات تھوڑی دیر کے لیے ضرور پیدا ہوئے لیکن جلد ہی اُسے صورتحال کی سنگینی کا احساس ہو گیا اور اُس نے واپس پلٹنا شروع کر دیا۔

فائرنگ کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ خان نے ابھی تک دوسرا فائر کرنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ وہ ایک ایک گولی سنبھال کر رکھنا چاہتا تھا۔ جانے کب صورتحال کیا رُخ اختیار کر جائے۔ دونوں جس راستے سے کھیت میں داخل ہوئے تھے اُسی راستے سے باہر نکل آئے۔ فائرنگ جاری تھی۔ خان سمجھ سکتا تھا کہ وہ لوگ کھیتوں کے اس سلسلے

کو گھیرے میں لینے کی کوشش کریں گے اور کافی دیر تک یہیں مغز ماری کرتے رہیں گے۔

اب وہ جُھک کر چلنے کا خطرہ مول لے سکتا تھا۔ خان نے کمانڈ خود سنبھال لی تھی وہ آگے آگے چل رہا تھا اور شاہد علی اُس کے پیچھے پیچھے ـــــ دن کے اُجالے میں دیکھا ہُوا راستہ اُس کے ذہن میں اُجاگر ہونے لگا تھا اور وہ اپنی یادداشت ہی کے سہارے آگے بڑھ رہا تھا۔ فائرنگ اُن کے عقب میں جاری تھی۔

○

آدھ گھنٹے کی جان لیوا اور اعصاب شکن جنگ کے بعد وہ بالآخر دُشمن کو چکمہ دینے میں کامیاب ہو گئے۔ خان کے لیے یہ کھیل نیا نہیں تھا۔

کمار کی موت نے اُس پر تھوڑی دیر کے لیے پژمردگی ضرور طاری کی تھی لیکن دُشمن کے چُنگل سے بچ آنے اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی خوشی کا احساس اُس جذبہ پر غالب آنے لگا تھا۔

دونوں اُس وقت سرحد سے بمشکل ایک فرلانگ دُور تھے جب اچانک اُن کے چاروں اطراف روشنی کا ایک طوفان اُمڈ پڑا۔ دُشمن نے اس مرتبہ ہالٹ پکارنے کی بجائے "روشنی راؤنڈ" فائر کرنے شروع کر دیئے تھے ـــــ صحرا کی وہ رات جیسے یکدم انگڑائی لے کر جاگ اٹھی ہو ـــــ

دونوں نے پناہ لینے کے لیے نزدیکی جھاڑی میں چھلانگ لگا دی، لیکن اب دیر ہو چکی تھی ـــــ کسی بی۔ ایس۔ ایف کے جوان کی سٹین گن سے نکلی تین چار گولیاں اچانک ہی خان کے دائیں پہلو میں داخل ہو گئی تھیں ـــــ اُسے ایک آلاؤ اپنے اندر دھکتا ہوا محسوس ہوا اور وہ لڑکھڑا کر شاہد علی پر گر پڑا۔

○

شاہد علی کو بہت جلد حالات کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا۔

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

"میرے خدایا!" اُس کے دِل سے آہ نکلی ـــــ "کیا میری ساری محنت اکارت گئی۔ میں عابد خان کو اُس مٹی کا بوسہ بھی نہ دلا سکا جس کے لیے اُس نے اپنا سب کچھ لٹا دیا"۔۔۔ وہ بچّوں کی طرح سِسک پڑا۔ پھر اچانک ہی چونکا شاید عابد خان نے کراہتے ہوئے اُس کو پُکارا تھا۔

"ہاں! کہو! کہو! خدا کے لیے کچھ کہو"ـــــ اُس نے روہانسی آواز میں اُسے قریباً جھنجوڑ ڈالا۔ کیونکہ عابد خان کو زبان ہلانے کے لیے بھی بڑا زور صرف کرنا پڑا تھا۔

"شاہد! میرے بھائی! جس طرح بھی ممکن ہو مجھے پاکستان کی سرزمین پر پہنچا دینا ـــ" اُس نے کراہتے ہوئے بمشکل اپنی بات مکمل کی۔

"تم پاکستان ضرور پہنچو گے عابد خان ـــــ چاہے کچھ بھی ہو جائے"۔ اُس لمحے اچانک ہی اُس کی آواز میں ایک قہر سا جاگ اٹھا تھا۔

دم توڑتے عابد خان کو یہ تسلّی ضرور ہو گئی تھی کہ جتنے اعتماد سے شاہد علی نے یہ بات کہی ہے وہ ضرور اسے پورا کر کے دکھائے گا۔

روشنی راؤنڈ دم توڑ چکے تھے۔

اُس کے چاروں اطراف گولیاں انگاروں کی طرح تڑپ رہی تھیں۔ لیکن نتائج سے بالکل بے نیاز اُس نے عابد خان کے نیم مردہ جسم کو کندھے پر لادا اور اپنی سرحد کی سمت دوڑ لگا دی۔

○

رینجرز کی وردی پہنے بوڑھا صوبیدار میجر بڑی بے چینی سے سرحد کی جانب اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ جب اچانک فائرنگ کی آوازوں نے اُسے چونکا دیا ـــــ! اُس کا دِل دہل کر رہ گیا۔

رائفل ہاتھ میں پکڑے اُس نے سرحد کی طرف دوڑ لگا دی۔ پکٹ پر موجود باقی جوان

بھی اُس کے تعاقب میں باہر کو لپکے ـــــ سرحدی لکیر پر بیٹھ کر اُنہوں نے دوسری سمت ہو میں فائرنگ کر کے اپنی دانست میں دُشمن کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کی کوشش کی تھی۔

ـــــ عابد خان کے انسٹرکٹر بوڑھے صوبیدار میجر کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی ان دیکھی قوت نے اُس کا دِل مُٹھی میں لے کر زور سے مَسل ڈالا ہو ـــــ اندھیرے میں اُس کی بوڑھی آنکھیں چیتے کی طرح چمک رہی تھیں۔

ایک جوان نے اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی داہنی سمت کسی ہیولے کی طرف اشارہ کیا۔ اُس کے باقی ساتھیوں نے چوکس ہو کر رائفلیں چھتیا لیں۔ بوڑھا صوبیدار میجر فوراً اُس سمت آگے بڑھا۔

اُس نے بمشکل پندرہ بیس گز کے فاصلے سے شاہد علی کو پہچان لیا۔ اب اُس کے کندھے پر لدے اُس کے ساتھی کی شناخت اُس کے لیے مُشکل نہیں رہی تھی ـــــ صوبیدار کا دِل دھک سے رہ گیا۔

"سَر! سَر!"ـــــ اُس کے نزدیک آنے پر شاہد علی سِسک پڑا۔ اُس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور اب اُسے اپنی ٹانگیں بے دم ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

عین اُن لمحات میں جب وہ عابد خان سمیت لڑکھڑا کر گرنے والا تھا۔ صوبیدار کے عقب سے نمودار ہونے والے چار تنومند ہاتھوں نے اُسے تھام لیا۔

"جلدی کرو۔ فوراً لے چلو اسے"ـــــ بوڑھے صوبیدار نے عابد خان کے خون میں لت پت جسم پر نظر پڑتے ہی اُنہیں چلّا کر حکم دیا۔

مستعد رینجرز نے صورتحال کی نزاکت جاننے میں ایک لمحے کی غفلت بھی نہیں دکھائی تھی۔ وہ عابد خان کو اپنے ہاتھوں پر پھولوں کی طرح تولتے ہوئے پکٹ تک پہنچے تھے۔ پکٹ پر موجود ایک جوان پہلے ہی فسٹ ایڈ باکس تیار کر چکا تھا ـــــ لیکن اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ فیلڈ پٹّی عابد خان کے جسم کے کس حصّے پر رکھے ـــــ!!

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

چارپائی پر لیٹے لیٹے نیم بے ہوش عابد خان کی نظریں جیسے ہی اپنی سمت جھکے بوڑھے چہرے پر پڑیں۔ ایک کرب انگیز مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر جاگ اُٹھی۔

"سر! ــــ پاکستان آگیا۔"

"ہاں! میرے بچے! تم اپنے مُلک میں ہو۔" صوبیدار کی آواز بھرّا گئی۔

"سر! م م ..... مجھے افسوس ہے ..... ہم پاکستان کو ..... لوٹ ..... لوٹنے سے .... بچا نہیں سکے ....."

"اوہ" ــــ اُس کے کسی زخم میں اچانک ٹیس اُٹھی تھی؛ اللہ باقی مُلک کو سلامت رکھے" آمین کہہ کر وہ نڈھال ہو گیا ــــ

"میرے بچے! جو قربانی تم نے دی، وہ ہم کبھی نہیں بھول سکتے ــــ خدا کی قسم تم ہی وہ گمنام جیالے ہو جو چُپ چاپ اپنی جان، اپنا آج اور اپنا مُستقبل ہماری زندگیوں، ہمارے کل اور ہمارے مُستقبل کے لیے قربان کر دیتے ہو۔" بوڑھے صوبیدار میجر کی آواز بھرّانے لگی۔

"میرے بچے! تاریخ کبھی بھی یہ نہ جان سکے گی کہ ــــ تم لوگ کون تھے۔ کہاں سے آئے تھے اور کیا کیا گرانقدر کارنامے انجام دیتے رہے، لیکن ــــ

ــــ ہمارے سینوں میں رقم ہونے والی داستان لہو رنگ آنے والی نسلوں کو چلّا چلّا کر تم لوگوں کی عظمت کی کہانیاں سُناتی رہے گی۔"

"سر!" عابد خان نے کراہتے ہوئے اُسے مخاطب کیا۔ "جس دُشمن سے ہمیں واسطہ پڑا ہے، ہم نے تو اُسے بھلا دیا ہو گا لیکن تقسیم ہند اور آزاد مملکت حاصل کر لینے کے ہمارے گناہ کو اُس نے ابھی تک نہیں بھلایا۔ مشرقی پاکستان کو الگ کرنے کے بعد اُس کی نظریں اَب اِدھر اُٹھنے لگی ہیں ــــ ہماری آزادی کو اُس نے اپنی جان کا روگ

Very Thought Provoking (1)

بنا لیا ہے۔

وہ اِس ــــ لا الٰہ الا اللہ کو پابند سلاسل کرنا چاہتا ہے اور ــــ ہماری یہ کتنی بدنصیبی ہے کہ ہم فضا اُس کے لیے مسلسل سازگار کرتے چلے آئے ہیں۔"

بوڑھا صوبیدار بے بسی سے اپنے جوان شاگرد کی جانب دیکھ رہا تھا اُس کی آواز اب رُک رُک کر آ رہی تھی، وہ صرف یہ سُن سکا:

"سر" اِس بچے کھچے پاکستان میں ہم صوبہ پرستی کی لعنت کو جنم دے رہے ہیں! کیا اس طرح ایک پاکستان کے ہم کئی ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں؟

ــــ کیا ایک ایک ٹکڑا کر کے ہم اِسے بھی اُسی طرح اغیار کی نذر کرنا چاہتے ہیں جس طرح کہ ہسپانیہ کے مسلمانوں نے آٹھ سو برس کی حکومت کے بعد کیا؟

ــــ کیا آج ہم وہی تاریخ دُہرانا چاہتے ہیں: جب اسپین کی اسلامی سلطنت صرف غرناطہ تک محدود ہو کر رہ گئی تھی؟

"سر!" اُس کی نبضیں ڈوبنے لگیں" ــــ ممکن ہو تو ایک دم توڑتے سپاہی کا پیغام اُس کی قوم تک پہنچا دیں ــــ "خدا کے لیے ..... پاکستان کے مزید ٹکڑے نہ کرنا ..... ہماری بقا ایک اور مضبوط پاکستان میں ہے ــــ پاکستان کی مٹی کو میرا اسلام ..... لا الٰہ الا اللہ۔"

اُس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

شاہد اور صوبیدار دونوں دیوانہ وار اُس پر جھک کر اُسے مخاطب کرنے لگے، لیکن عابد خان اُنکی کسی بات کا جواب دینے کے لائق نہیں رہا تھا ــــ وہ قرآنی آیات بڑبڑا رہا تھا ــــ اُس کی یہ حالت دیکھ کر اُس کے سرہانے کھڑے رینجرز کے ایک بوڑھے حوالدار نے سورۃ یٰسین کا ورد شروع کر دیا۔

عین اُن لمحات میں جب وہ اللہ کی طرف سے اپنی راہ پر مرمٹنے والوں کو اجرِ عظیم کی

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

خوشخبری سُنا رہا تھا۔ عابد خان نے اپنی جان جانِ آفریں کو سونپ دی ـــــ اُس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی ـــــ مسکراہٹ جوں کی توں اُس کے ہونٹوں پر زندہ تھی۔

اچانک ہی آسمان پر ایک خوفناک دھاڑ گونجی۔ جانے کب اچانک بادلوں نے آسمان پر بسیرا جما لیا ـــــ مہموت شاہد علی نے جُھک کر اپنے ساتھی کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ اُس کی کھُلی آنکھوں کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپا اور بچّوں کی طرح سسکیاں لینے لگا۔

بادل پھر زور سے گرجا۔ آسمان کا کلیجہ جیسے شق ہو گیا ہو۔ ایک زوردار کڑکے کی آواز کے ساتھ بجلی کوندی اور آسمان رونے لگا ـــ!!

بُوڑھے صوبیدار میجر نے اُس لمحے بڑی شدّت سے موت کی آرزو کی پھر اُس کی آنکھیں بھی بارش کا ساتھ دینے لگیں۔ پکٹ پر بنی اُس کوٹھڑی میں موجود باقی رینجرز بھی آستینوں سے اپنی آنکھیں پونچھتے باہر نکل آئے۔

○

آدھ گھنٹہ تک آسمان اس جوان مرد کی لاش پر دھاڑیں مار کر روتا رہا ـــ صبح دم بارش رُک گئی ـــ سسکیاں بھرتا آسمان نکھر گیا۔ پکٹ کے ایک کونے میں بنی مسجد کے صحن سے "اللہ اکبر" کی صدا بلند ہوئی ـــ دونوں نیم مردہ انسان عابد خان کو اکیلا چھوڑ کر باہر نکل آئے۔

مولوی صاحب نے سسکیاں لیتے ہوئے قرآن کی وہ آیات تلاوت کیں جن میں اللہ کی راہ میں شہادت پانے والوں کو ابدی زندگی کا پیغام سُنایا گیا تھا ـــ!

صبح دم بُوڑھے صوبیدار میجر نے عابد خان کا جوان لاشہ جیپ میں رکھا اور کمپنی ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو گئے ـــ جیپ وہ خود چلا رہا تھا۔ شاہد علی اُس کے ساتھ بیٹھا تھا اور عابد خان کے جسدِ خاکی کے ساتھ دو رینجرز بھی سلام عقیدت گزارنے کمپنی ہیڈ کوارٹر تک آئے تھے۔

دمِ رخصت اُسے رینجرز نے آخری سلیوٹ بھی پیش کیا تھا ـــ اتنی جوان اور دلیرانہ موت پر اُن کے دِل خون کے آنسو بہا رہے تھے۔

○

پاکستان کے ایک دیہات کے اُس قبرستان میں لوگوں کا ایک جمِ غفیر اُمنڈ آیا تھا ـــ یہ لوگ وطن کے شہید کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے آئے تھے۔

اُنہوں نے اُسے قدرے اونچی جگہ دفن کیا تھا اور جب اُس جوان شہید کے جسدِ خاکی پر مٹّی ڈالنے کے بعد واپس مُڑنے لگے تو ایک گونجدار آواز نے اُن کے قدم تھام لیے:

"پاکستان کے شہریو!"

لوگ رُکے تو اُنہوں نے دیکھا: بُوڑھے صوبیدار نے جُھک کر زمین پر سے بکھری مٹّی کو مُٹھی میں بھر کر ہوا میں اُچھالا اور قریباً روتے ہوئے بولا۔

"وطن کی مٹّی گواہ رہنا! عابد خان نے کسی ایک صوبے کے لیے نہیں ـــ سارے پاکستان کی سلامتی کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔"

اس کے بعد اُس کے لیے بولنا دوبھر ہو گیا ـــ وہ اُسی سمت میں واپس پلٹا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا قبرستان کے باہر کھڑی جیپ کی طرف چل دیا ـــ شاہد علی اُس کے تعاقب میں آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

سورج مغرب کی سمت بنی درختوں کی قطار کے اوپر سفر کرتا اب آہستہ آہستہ اُن کے سروں پر آ گیا تھا ـــ ہوا سرسراتے ہوئے نوحہ الاپنے لگی تھی۔

جیپ کے نزدیک رُک کر اُس نے شاہد علی کو قریب آنے دیا۔ شاہد علی اُس کے نزدیک آ کر رُک گیا۔ صوبیدار میجر نے جو اپنی حالت پر قدرے قابو پا چکا تھا۔ دِل گرفتہ شاہد علی کے شانے تھپتھپاتے ہوئے کہا ـــ "بیٹا! عابد خان کی شہادت کے ساتھ ہم منزل کی سمت ایک

Scanned by azamm@UrduFanz.com

aazzamm@yahoo.com

قدم اور آگے بڑھے ہیں ـــــ لیکن ہماری منزل ابھی بہت دور ہے ـــــ میں اب بہت بوڑھا ہو گیا ہوں ـــــ میرے اعصاب جواب دینے لگے ہیں۔ چند دنوں کے بعد ریٹائر ہو جاؤں گا ـــــ تم ابھی جوان ہو ـــــ اس سفر کو رکنے نہ دینا ـــــ جاری رکھنا ـــــ شہید کی روح کو تسکین پہنچانے کا شاید یہی بہترین راستہ ہے ـــــ"

شاہد علی نے اپنی سرخ اور بوجھل آنکھیں اُس کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ آنسو کسی بھی لمحے ٹوٹ پڑنے کو تیار تھے۔ صوبیدار نے تڑپ کر اُسے اپنے سینے میں سمالیا۔

یکم فروری ۱۹۸۶ء

لاہور

Scanned by azamm@UrduFanz.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com